سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو نمبر ۷۴

اردو کی ابتدای نشو و نما
میں
صوفیاے کرام کا کام

نوشتۂ

مولوی عبدالحق صاحب بی - اے (علیگ)

معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو

—:o:—

مطبوعہ مطبع انجمن ترقی اردو

اورنگ آباد دکن

سنہ ۱۹۳۳ ع

اردو کی ابتدائی نشو و نما

میں

صوفیائے کرام کا کام

صوفی صوت سے مشتق ہو یا صفا سے ' وہ مذہبی اور اخلاقی نظام میں ایک خاص حیثیت رکھتا ہے - وہ ملک و ملت سے بے نیاز ہے اور ہر قوم اور ہر مذہب میں پایا جاتا ہے - وہ ایک قسم کا باغی ہے جو رسم و ظاہر داری کو' جو دلوں کو مردہ کر دیتی ہیں' روا نہیں رکھتا اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے - مولوی اور صوفی میں یہ فرق ہے کہ وہ ظاہر کو دیکھتا ہے اور یہ باطن کو - وہ لفظ دیکھتا ہے اور یہ معنی کو - وہ رسمیات اور تقلید کا پابند ہے اور یہ ان سے بیزار ہے - اس کی نظر برائی پر پڑتی ہے اور یہ برے سے برے میں بھی بھلائی کا پہلو

ڈھونڈہ نکالتا ہے - وہ لعن طعن سے کام لیتا ہے اور یہ مہر و محبت سے - وہ سختی اور تشدد کرتا ہے اور یہ نرمی اور ملائمت - وہ بہت کم معاف کرتا ہے اور اِس کا شیوہ درگذر کرنا ہے - وہ خودی اور خود نمائی سے بڑا بنتا ہے اور یہ فروتنی اور خاکساری سے دلوں میں گھر کرتا ہے - وہ دوسروں کے عیوب کا متجسس رہتا ہے اور یہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے - وہ اپنے علم سے مرعوب کرنا چاہتا ہے اور یہ اپنے عمل سے دوسروں کو لبھاتا ہے —

مولوی سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتا ہے لیکن صوفی ہر ایک کے رنگ طبیعت کو دیکھتا ہے اور جیسی جس کی طبیعت کی افتاد ہوتی ہے اُسی ڈھنگ سے اس کی تربیت کرتا ہے - اور اس میں بعض اوقات وہ شریعت سے تجاوز کرنے یا بعض ارکان و اصول کے ترک کرنے میں بھی مضایقہ نہیں کرتا - اس کی نظر انجام پر رہتی ہے - وہ مولوی کی طرح لفظ کا بندہ نہیں بلکہ معنی کو دیکھتا ہے - اصل صوفی بہت بڑا ماہر نفسیات ہوتا ہے اور باوجودیکہ وہ دنیا سے ایک گونہ بے تعلق اور مولوی اس کے مقابلہ میں بہت زیادہ دنیا دار ہوتا ہے

مگر وہ علماء کی نسبت کہیں زیادہ زمانے کی نبض کو پہچانتا ہے - وہ دلوں کو ٹٹولتا ہے اور اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ دلوں کی تہ تک پہنچتا ہے جہاں انسان کے اصل اسرار چھپے اور دبے رہتے ہیں ' جن سے ہم خود بھی اکثر واقف نہیں ہوتے - مولوی کی نظر وہاں تک نہیں پہنچتی - اسی میں صوفی کی جیت ہے - اس کے بعد وہ نفس کی چوریاں اس آسانی ' خوش اسلوبی اور لطف سے پکڑتا اور ان کی اصلاح کرتا ہے کہ بعض اوقات مرید کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی - اس کا سب سے بڑا اور مقدم اصول دلوں کا ہاتھ میں لانا ہے اور اس مقصد کے حصول میں وہ کسی ظاہری رکاوٹ کی خواہ شرعی ہو یا غیر شرعی پروا نہیں کرتا اور سب کو توڑ کے رکھ دیتا ہے - اور صحیح بھی ہے ' جب دل ہاتھ میں آگیا تو گویا سب کچھ مل گیا - کسی دل کا ہاتھ میں لانا ایک نئی دنیا کے فتح کرنے سے کم نہیں ہے - یہ جو مشہور ہے کہ " دل بدست آور کہ حج اکبر است " یہ صوفی ہی کا قول ہے اور صوفی ہی اس پر عمل کر سکتا ہے -

حضرت رابعہ بصری کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک بار فرمایا " اگر در ہوا پری مگسی ، اگر بر دریاروی خسی ، اگر دل بدست آری کسی " ۔ پیر استاد ہری کا ایک قول منقول ہے " نماز گزاردن کار بیوہ زناں است ، روزہ داشتن صرفۂ ناں است ۔ حج کردن کار بیکاراں است ، دلے دریاب کہ کار آنست " * ۔

یہی وجہ ہے کہ علما و امرا بلکہ حکومتوں اور بادشاہوں سے بھی وہ کام نہیں ہو سکتا جو فقیر اور درویش کر گذرتے ہیں ۔ بادشاہ کا دربار خاص ہوتا ہے اور فقیر کا دربار عام ہے جہاں بڑے چھوٹے ، امیر غریب ، عالم جاہل کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا ۔ بادشاہ جان و مال کا مالک ہے ۔ لیکن فقیر کا قبضہ دلوں پر ہوتا ہے اور اس لیے اُن کا اثر محدود ہوتا ہے اور اِن کا بے پایاں ۔ اور یہی سبب ہے کہ درویش کو وہ قوت و اقتدار حاصل ہو جاتا تھا کہ بڑے بڑے جبّار

---

* قلمی نسخہ سرورالصدور صفحہ (۲۲۰) کتب خانہ نواب صدر یار جنگ بہادر ، حبیب گنج —

اور با جبروت بادشاہوں کو بھی اُس کے سامنے سر جھکانا پڑتا تھا —

مسلمان درویش ہندوستان میں پر خطر اور دشوار گزار رستوں ' سر بفلک پہاڑوں اور لق و دق بیابانوں کو طے کر کے ایسے مقامات پر پہنچے جہاں کوئی اسلام اور مسلمان کے نام سے بھی واقف نہ تھا اور جہاں ہر چیز اجنبی اور ہر بات ان کی طبیعت کے مخالف تھی - جہاں کی آب و ہوا ' رسم و رواج ' صورت شکل ' آداب و اطوار ' لباس ' بات چیت غرض ہر چیز ایسی تھی کہ ان کو اہل ملک سے اور اہل ملک کو ان سے وحشت ہو - لیکن حال یہ ہے کہ انھیں مرے صدہا سال گذر چکے ہیں لیکن اب بھی ہزاروں لاکھوں بندگان خدا صبح و شام ان کے آستانوں پر پیشانیاں رگڑتے ہیں اور جن جن مقامات پر اُن کے قدم پڑے تھے وہ اب تک " شریف " اور " مقدس " کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں - یہ کیا بات تھی ؟ بات یہ تھی کہ ان کے پاس دلوں کے کھینچنے کا وہ سامان تھا جو نہ امرا و سلاطین کے پاس ہے اور نہ علما و حکما کے پاس —

لیکن دلوں کو ہاتھ میں لانے کے لیے سب سے

پہلے ہمزبانی لازم ہے - ہمزبانی کے بعد ہم خیالی پیدا ہوتی ہے - درویش کا تکیہ سب کے لیے کھلا تھا - بلا امتیاز ہر قوم و ملت کے لوگ ان کے پاس آتے اور ان کی زیارت اور صحبت کو موجب برکت سمجھتے - عام و خاص کی کوئی تفریق نہ تھی - خواص سے زیادہ عوام ان کی طرف جھکتے تھے - اس لیے تلقین کے لیے انھوں نے جہاں اور ڈھنگ اختیار کیے ان میں سب سے مقدم یہ تھا کہ اس خطے کی زبان سیکھیں تاکہ اپنا پیغام عوام تک پہنچا سکیں - چنانچہ جتنے اولیا اللہ سر زمین ہند میں آئے یا یہاں پیدا ہوے وہ باوجود عالم و فاضل ہونے کے (خواص کو چھوڑ کر) عوام سے انھیں کی بولی میں بات چیت کرتے اور تعلیم و تلقین فرماتے تھے - یہ بڑا گُر تھا اور صوفیا اسے خوب سمجھتے تھے - ہمارے اس بیان کی تصدیق فاضل شارح اکبروتی (تصنیف ملک محمد جائسی علیہ الرحمۃ) کے قول سے بھی ہوتی ہے جس کا اظہار انھوں نے کتاب کے خاتمہ پر کیا ہے - وہ یہ ہے —

" و توہم نہ کند کہ اولیاء اللہ بغیر از زبان عربی تکلم نہ کردہ ' زیرا کہ جملہ اولیاء اللہ در ملک عرب مخصوص بودہ -

بس بهر ملکے که بوده زبان آن ملک را
بکار برده اند - و گمان نکند که هیچ
اولیاء الله به زبان هندی تکلم کرده زیرا
که اول از جمیع اولیاء الله قطب الاقطاب
خواجه بزرگ معین الحق و الملة والدین قدس الله
سره بدین زبان سخن فرموده ' بعد ازان
حضرت خواجه گنج شکر قدس الله سره
و حضرت خواجه گنج شکر در زبان هندی
و پنجابی بعضے از اشعار نظم فرموده
چنانکه در مردم مشهور اند - اشعار از
دوهره و سورته ... و امثال آن نظم نموده
همچنان هر یکے از اولیا بدین لسان تکلم
می فرمودند تا که عهد خلافت ایشان با
محقق مدقق * رسید وے درین زبان بسیارے
از مصنفات از رسائل و مطولات تصنیف
فرموده و یکے از مصنفات وے اکهروتی است "

افسوس که باوجود تلاش کے همین حضرت خواجه
معین الدین چشتی قدس سره العزیز تا کوئی معتبر

---

* اس سے مراد ملک محمد جائسی علیه الرحمة ہیں ۔

قول ہندی زبان میں نہیں ملا ' لیکن ان کی عالمگیر مقبولیت کو دیکھتے ہوے یقینی امر ہے کہ وہ ہندی زبان سے ضرور واقف تھے کیونکہ ہندو بھی مسلمانوں سے کم اُن کے معتقد نہیں - " ہندالولی " کی ترکیب ' اور " غریب نواز " کا لقب خود ان کی عام مقبولیت کی صاف شہادت دے رہے ہیں - البتہ شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہ کے متعدد مقولے ملتے ہیں - مولانا سید مبارک معروف بہ میر خورد سلطان المشائخ حضرت نظام‌الدین اولیاء کے مرید و مصاحب خاص تھے ' انہیں کے پاس رہتے اور روزانہ فیض صحبت سے مستفید ہوتے تھے - انھوں نے اپنی تالیف سیرالاولیا * میں حضرت کے اقوال و حالات جو اپنے کانوں سنے اور آنکھوں دیکھے تھے مرتب کرکے لکھے ہیں —

شیخ فریدالدین شکر گنج

اس کتاب میں حضرت شکر گنج کے دو ہندی قول بھی آگئے ہیں وہ ہم عبارت متعلقہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں —

---

* مرتب کردہ و شایع کردہ چرنجی لال مطبوعۂ مطبع منتخب ہند دہلی —

" منقول است چوں شیخ جمال الدین نقل کرد
مادر مومناں* کہ خادمہ "شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ
علیہا" بود، مصلی و عصاے شیخ جمال الدین کہ از
شیخ شیوخ العالم† یافتہ بود، مولانا برہان الدین
صوفی پسر خورد شیخ جمال الدین کہ پدر
شیخ قطب الدین منور بود، درعالم صغر بود،
بخدمت شیخ شیوخ العالم برد۔ شیخ شیوخ العالم
بمرحمت مولانا برہان الدین مذکورا تعظیم و
تکریم نمود و بشرف ارادت و بیعت خود مشرف
گردانید۔ چند روز بر خود داشت و
بوقت مراجعت خلافت نامہ و آں مصلی و
عصا با نعمتے کہ مولانا شیخ جمال الدین

---

* شیخ جمال الدین ہانسوی الخطیب حضرت شکر گنج
کے محبوب و معظم خلیفہ تھے چنانچہ محض ان
کی محبت کی وجہ سے بارہ سال تک ہانسی میں
مقیم رہے۔ شیخ جمال الدین کی ایک کنیز خادمہ
تھی جو بہت صالحہ تھی اور ان کے مراتب حضرت
شیخ شکر گنج کے پاس لے جایا کرتی تھی۔ حضرت
گنج شکر انھیں "مادر مومنان" فرماتے تھے۔ اسی وقت
سے یہ لقب ان کا پڑھا —

† حضرت شیخ شکر گنج قدس سرہ العزیز سے مراد ہے۔

روان کرده بود بمولانا برهان الدین صوفی
بخشود و فرمود چنانچه جمال الدین از
جهت ما مجاز بود تو هم مجازی و این
هم فرمود باید که چند گهے در صحبت
نظام الدین باشی یعنے سلطان المشایخ -
درین محل ما در مومنان بخدمت شیخ
شیوخ العالم عرض داشت کرد بزبان هندی
که "خوجا بالا هے" یعنے خورد اسعد
این بار گران را طاقت نتواند آورد -
شیخ شیوخ العالم قدس سره العزیز فرمود
بزبان هندی "پونوں کا چاند بھی بالا
هے" یعنے شب ماه چهاردهم در اول
شب خورد می باشد که بتدریج به کمال
می رسد" - *

اسی کتاب میں ایک دوسری جگه ایک اور واقعه
لکھا هے جس کا ترجمه یہاں لکھا جاتا هے —

شیخ علی صابر ساکن قصبه تیکری ایک بزرگ
درویش تھے اور اکثر شیخ شیوخ العالم کی خدمت

---

* سیرالاولیا صفحه ۱۸۲ -

میں حاضر رہتے تھے۔ ان کو شیخ سے اجازت بیعت بھی تھی۔ ایک وقت جب کہ بعض بزرگوں کو جنھیں شیخ نے دولت خلافت سے مشرف کیا تھا، ایک ایک کرکے وداع فرما رہے تھے اور مخصوص وصیتیں کررہے تھے اور ایک ایک شخص ان کے ہمراہ کر رہے تھے، اس اثنا میں شیخ علی صابر نے عرض کی کہ بندہ کے باب میں کیا ارشاد ہے۔ فرمایا "اے صابر برو بہو کہا خواہی کرد" "یعنی ترا عیش خوش خواہد گزشت"۔ *

خیرات شاہی میں جو حضرت شاہ عالم کے ملفوظات کا مجموعہ ہے حضرت شکرگنج کا یہ منظوم قول نقل کیا ہے —

اسا کیری یہی سوریت جاؤں ناگی کہ جاؤں مسیت

اس کے علاوہ حضرت کی بعض نظمیں بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ ایک پرانی بیاض میں مجھے یہ نظم دستیاب ہوئی:—

تن دھونے سے دل جو ہوتا پوک
پیش رو اصفیا کے ہوتے غوک

---

* سیاحلولیا صفحہ ۱۸۵۔

ریش سبلت سے گر بڑے ہوتے
بوکرواں * سے نہ کوئی بڑے ہوتے
خاک لانے † سے گر خدا پائیں
گائے بیلاں بھی واصلاں ہو جائیں
گوش گری میں گر خدا ملتا
گوش چویاں (ھکذا) کوئی نہ واصل تھا

عشق کا رموز نیارا ہے جز مدد پیر کے نہ چارا ہے

کئی سال ہوئے محمد شمیم صاحب تسنوی بہاری کا ایک خط مجھے وصول ہوا جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ کتب خانہ الاصلاح تیسنہ کی ایک قلمی کتاب کی جلد خراب ہوگئی تھی جب اس کی نئی جلد بندھنے کو دی تو جلد کے اندر ایک کاغذ لگا ہوا ملا جس پر حضرت شیخ فرید شکرگنج کی یہ غزل ریختہ لکھی ہوئی تھی :—

وقت سحر وقت مناجات ہے خیز دراں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ بگوید ترا خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
باتن ‡ تنہا چہ روی زیر زمیں نیک عمل کن کہ رہی سات ہے

---

* بکرے ۔ † لگانے ۔ ‡ اصل مسودے میں کاتب نے 'باتن' کو 'باطن' اور 'زیر' کو زبن لکھ دیا ہے —

پند شکرگنج کہ بدل جاں شنو ضایع مکن عمر کہ ہیہات ہے

مجھے حضرت کی ایک نظم "جو لنا شیخ فرید شکر گنج" کے نام سے ملی ہے یہ چار صفحے کا رسالہ ہے۔ نمونے کے طور پر دو شعر اُس کے لکھتا ہوں۔—

(سگن ذکر جلی)

جلی یاد کی کرنا ہر گھڑی یک تل حضور سوں ٹلنا نیں
اُٹھہ بیٹھہ میں یاد سوں شاد رہنا گواہ دار کو چھوڑ کے چلنا نیں

پاک رکھہ توں دل کو غیر ستی آج سائیں فرید کا آوتا ہے
قدیم قدیمی کے آرنے سیں لا زوال دولت کوں پاوتا ہے

حضرت شیخ شکر گنج کا سنہ ولادت ۵۶۹ ہجری اور سنہ وفات ۶۶۳ ہجری ہے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید و خلیفہ تھے اور پاک پٹن میں قیام تھا۔—

شیخ حمید الدین ناگوری | حضرت شیخ حمید الدین ناگوری (ولادت ۵۹۰ ہجری اور سنہ وفات ۶۷۳ ہجری) کا ایک واقعہ خود اُن کی زبانی سرور الصدور میں یوں لکھا ہے۔—

"شیخ بزرگ (شیخ حمید الدین ناگوری)

فرمودند اگرچه جدّه شما سبب بیان می کند
و لیکن همه از کرامت است - وقتے پیش
ایشان می گزشتم خورد بودم و ایشان
بر کپت بودند همین که نزدیک ایشان
رفتم دست بگرفتند و بزبان هندی گفتند
می دانی جد تو کیست ' گفتم بی بی -
چگونه ' گفت از جد تو هیچ کس بجز
پیغمبرش بزرگ نیست " — *

اس سے صاف ظاهر هے که اس زمانے میں ان بزرگوں کے گھروں میں بھی هندی بول چال کا رواج تھا اور چونکه یه ان کے مفید مطلب تھا اس لیے وہ اپنی تعلیم و تلقین میں بھی اسی سے کام لیتے تھے —

اس سے اس امر کا ثبوت ملتا هے که وہ زبان جسے هندی کہتے تھے اور جو باوجود تغیر و تبدل کے کچھه مدت قبل تک هندی کہلاتی هے اور اب اُردو کے نام سے موسوم هے کس طرح همارے ملک میں اندر باهر چھائی هوئی تھی —

---

* سرورالصدور صفحه (۲۲۰)

شیخ شرف الدین بو علی قلندر

حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی (وفات سنہ ۷۲۴ ھجری) بڑے صاحب جلال اور صاحب اثر بزرگ ہوئے ہیں۔ جب علاءالدین خلجی اپنے چچا جلال الدین خلجی کو قتل کر کے تخت و تاج پر قابض ہوا تو اس نے اپنی اس سفاکی پر پردہ ڈالنے کے لیے لشکریوں نیز دوسروں کو اپنی داد و دہش سے خوش کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت اس کے مصاحبوں نے کہا کہ حضرت بو علی قلندر کو خوش کرنا بہت ضروری ہے اگر ان کی نظر آپ کی طرف سے پھری رہی تو رعایا میں ہر دلعزیزی حاصل کرنا دشوار ہو گا۔ علاءالدین نے چاہا کہ اپنی طرف سے کسی کو ان کی خدمت میں بھیجے لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ آخر امیر خسرو اس کام پر متعین ہوئے۔ انھوں نے کا بجا کر حضرت کو خوش کر لیا۔ اس کے بعد حضرت نے بھی اپنا کچھ کلام سنایا جسے سن کر امیر خسرو بہت آبدیدہ ہوئے۔ حضرت نے فرمایا "ترکا کچھ سمجھ دار ہے" امیر خسرو نے کہا اسی لیے تو روتا ہوں کہ کچھ نہیں سمجھتا —

صاحب فرہنگ آصفیہ لکھتے ہیں کہ "ھجری

ساتویں صدی بعہد محمد تغلق شاہ و علاءالدین خلجی جس زبان کا رواج تھا اس کی اس دوھے سے جو حضرت شیخ شرف‌الدین بو علی قلندر صاحب کی زبان مبارک سے مبارز خان صاحب کے ارادۂ سفر کے موقع پر نکلا تھا ' کیفیت معلوم ھوتی ھے —

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریںگے روے
بدھنا ایسی رین کر بھور کدھی نہ ھوے

اسی مضمون کو آپ نے فارسی میں اس طرح ادا کیا ھے —

من شنیدم یار من فردا رود راہ شتاب
یا الہی تا قیامت بر نیاید آفتاب

امیر خسرو سلطان الاولیا شیخ نظام‌الدین (ولادت سنہ ۶۳۴ ھجری وفات سنہ ۷۲۵ ھجری) سلسلۂ چشتیہ میں عجب صاحب کمال ' وسیع مشرب ' صاحب دل اور صاحب ذوق بزرگ گزرے ھیں ۔ ھر ملت و مشرب کے لوگ ان کے ھاں حاضر ھوتے اور ان کے عرفان و زندہ دلی سے فیض پاتے تھے ۔ انھوں نے کئی بادشاھوں کا زمانہ دیکھا اور بعض بادشاھوں نے ھر چند یہ چاھا کہ وہ ان کے دربار میں حاضر ھوں اور اس معاملہ میں سختی سے بھی

پیش آئے مگر شیخ نے مطلق پروا نہ کی اور آخر ان جبار بادشاہوں کو نادم ہونا پڑا اور کسی کی مجال نہ ہوئی کہ ان پر ہاتھہ ڈالے - آپ سماع کے بہت شایق تھے اور ہندی راگ کی بہت سرپرستی فرماتے تھے - ہندوستان کے اکثر اولیا اللہ نے ہندی موسیقی کو بھی اپنی سرپرستی سے بڑی ترقی دی اور اس میں خاص ذوق اور کمال حاصل کیا - چنانچہ شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی اور شیخ بہاءالدین برناوی وغیرہ اس فن میں بڑے کامل گزرے ہیں - امیر خسرو کو بھی سلطان الاولیا ہی کی درگاہ سے فیض پہنچا تھا - وہ ان کے خاص مریدوں میں سے تھے اور اکثر ان کے نغموں کو سن کر محظوظ ہوتے تھے - امیر خسرو نے موسیقی میں جدتیں دکھائی ہیں اور فارسی اور ہندی موسیقی کو ملایا ہے - اور زیادہ تر غالباً یہی وجہ تھی کہ انھوں نے ہندی میں نظمیں اور دھرے لکھے - افسوس ان کا ہندی کلام اب تک دستیاب نہیں ہوا - تذکروں میں کہیں کہیں بعض چیزیں مل جاتی ہیں - میر تقی میر نے اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں اُن کا یہ قطعہ لکھا ہے —

زر کو پسرے چو ماہ پارا کچھہ گھڑئیے سنوارئیے پکارا
نقد دل من گرفت و بشکست پھر کچھہ نہ گھڑا نہ کچھہ سنوارا

ریختہ اسی کا نام ہے جس میں فارسی ہندی دونوں ملی ہوئی ہیں اور یہیں سے اردو کی ابتدا ہوتی ہے —

ایک مشہور غزل ریختے کی ان کے نام سے تذکروں میں ملتی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں —

ز حال مسکیں مکن تغافل دو رائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبان ہجراں دراز چوں زلف و روز و صلش چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کوں جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکین
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

اس کے علاوہ بیسوں پہیلیاں انمالیاں اور کہہ مکرنیاں وغیرہ ان کے نام سے مشہور ہیں جن کی صحت کا اس وقت کوئی معتبر ذریعہ نہیں —

بالا تھا جب سب کو بھایا
بڑا ہوا کچھہ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس ناوں
بوجھے نہیں تو چھوڑو گاوں (چراغ)

دس ناری ایک ھی نر
بستی باھر وا کا گھر
پیٹھہ سخت اور پیٹ نرم
منہ میٹھا تاثیر گرم (خربوزہ)

شیخ سراج الدین عثمان

تاریخ فرشتہ میں منقول ھے کہ شیخ سراج الدین عثمان معروف بہ اخی سراج (وفات سنہ ۷۵۸ ھجری) جو سلطان اولیا کے مرید اور خواجہ نصیرالدین چراغ دھلوی کے خلیفہ تھے بعد وفات سلطان اولیا بنگالہ سے دھلی آئے اور حضرت چراغ دھلی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا ۔ خواجہ نے فرمایا کہ بنگالہ جاؤ ۔ انھوں نے کہا وھاں پہلے سے شیخ علاءالدین قل موجود ھیں اور مرجع خلائق ھیں ۔ وھاں میرے جانے کی کیا ضرورت ھے ۔ اس پر خواجہ صاحب نے فرمایا " تم اوپر وہ قل " —

شیخ شرف الدین یحیٰی منیری

اسی زمانے کے ایک بزرگ اور صوفی کامل شیخ شرف الدین یحیٰی منیری ھیں (ولادت سنہ ۶۶۲ ھجری وفات سنہ ۷۸۲ ھجری) منیر بہار کا ایک قصبہ ھے اور اسی سے منسوب ھیں ۔ پوربی اور ھندی بھاشا کے شاعر

تھے - اب تک ان کے بتائے ہوے بعض منتر سانپ بچھو اور سایہ کے اتارنے اور دفع امراض اور جھاڑ پھونک کے لیے پڑھتے ہیں جن کے آخر میں ان کی دھائی ہوتی ہے - پروفیسر شیرانی نے اپنی کتاب میں مولوی محبوب عالم صاحب کی بیاض سے ایک کچھ منتر نقل کیا ہے - میرے ایک دوست کو بھی اسی قسم کا سانپ کے زہر اتارنے کا منتر یاد ہے اور وہ اس کے عامل ہیں - اسی قسم کی عبارت ہے اور وہی شاہ صاحب کی دھائی ہے - ان منتروں اور کچھ منتروں سے اس زمانے کی پوربی بولی کا کچھ یوں ہی سا اندازہ ہوتا ہے البتہ اس میں دو دھورے آگئے ہیں وہ ضرور قابل لحاظ ہیں - وہ یہ ہیں —

کالا ہنسا نہ ملا بسے سمندر تیر

پنکھ پسارے یکہ ہرے فرمل کرے سریر

درد رہے نہ پیر

شرت حرت مائل کہیں درد کچھ نہ بسائے

گرد چھوٹیں دربار کی سو درد دور ہوجائے

حضرت شاہ برہان الدین غریب

حضرت نظام الدین اولیا کا فیض ہندوستان میں دور دور پہنچا ہے - حضرت شاہ برہان الدین (وفات سنہ ۷۳۸ ہجری)

جو برہان الدین غریب کے نام سے مشہور ہیں آپ کے اکابر خلفا میں سے ہیں ۔ جس وقت سلطان محمد تغلق نے دولت آباد کو ہندوستان کا دارالسلطنت بنایا اور ساری دلی کو اجاڑ کر یہاں لا بسایا ، تو اس وقت شیخ برہان الدین اور سلطانجی کے بہت سے خلفاء و مریدین دولت آباد آے ۔ دکن کی خلافت شیخ برہان الدین اور ان کے بڑے بھائی منتجب الدین کو عطا ہوئی ۔ یہ لوگ یہیں رہ گئے اور یہیں انھوں نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا —

حضرت سید علاء الدین ضیا چشتی (دولت آبادی) کے احوال میں یہ منقول ہے کہ جب سلطان جی نے حضرت برہان الدین غریب کو دکن جانے کا حکم دیا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ " میری پیرزادی دولت آباد میں قیام فرما ہیں ان کی خدمت میں سرگرم رہنا " اس سے مراد حضرت بیبی عائشہ بابا فرید شکرگنج کی صاحبزادی ہیں ۔ آپ ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ۔ بیبی عائشہ کی ایک بیٹی تھیں جو بہت بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں ۔ ایک بار جو آپ حسب معمول بعد نماز جمعہ حاضر ہوے تو ان کی نگاہ

اس لڑکی پر پڑی اور ان کو دیکھ کر متبسم ہوے۔
بیوی عائشہ نے بہ زبان ملتانی فرمایا —
" اے برہان الدین! سا ڑی دھیہ کہ کہیا ھنسدا ھے "
یعنے اے برہان الدین! تو ہماری لڑکی کو دیکھ کر کیوں ھنستا ھے۔
اس سے ظاھر ھے کہ یہ بزرگ مقامی اور وطنی بولیوں کو بلا تکلف بولتے تھے اور اس کے استعمال سے کبھی عار نہ کرتے تھے بلکہ ان کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ضروری سمجھتے تھے —

حضرت گیسو دراز بندہ نواز

سلطانجی کا فیض دکن میں ایک اور ذریعہ سے بھی پہنچا ھے۔ حضرت کے بہت بڑے خلیفہ اور جانشین شیخ نصیرالدین چراغ دھلی تھے۔ سلطانجی انھیں بوجہ کثرت فضل و دانش " گنج معانی " کہا کرتے تھے۔ انھیں کے خلیفہ و مرید سید محمد ابن یوسف الحسنی الدھلوی (وفات سنہ ۸۲۵ ھجری) تھے جو گیسو دراز کے لقب سے مشہور ھیں۔ یہ اپنے پیر و مرشد کی وفات کے بعد جب (سنہ ۸۰۱ ھجری میں) گجرات کے رستے مختلف مقامات سے ھوتے ھوے دکن روانہ ھوے تو شیخ نصیرالدین چراغ دھلی کے بہت سے مرید ان کے ھمراہ ھو لیے اور اس قافلے کے ساتھ

سنہ ۸۱۵ ھجری میں حوالی ء حسن آباد گلبرگہ میں فایز ہوے - وہ زمانہ فیروز شاہ بہمنی کا تھا - بادشاہ کو جب فیروز آباد میں آپ کے آنے کی خبر ہوئی تو تمام ارکان و امراے دولت اور اپنی اولاد کو ان کے استقبال کے لیے بھیجا - بادشاہ کا بھائی احمد خاں خانخاناں جو بعد میں اس کا جانشین ہوا ان کا بہت بڑا معتقد ہوگیا تھا - آپ نے اپنی بقیہ زندگی یہیں بسر کی اور سر زمین دکن کو اپنی تعلیم و تلقین سے فیض پہنچاتے رہے -

حضرت صاحب علم و فضل اور صاحب تصانیف بھی ہیں - آپ کا معمول تھا کہ نماز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو حدیث اور تصوف اور سلوک کا درس دیا کرتے تھے اور گاہے گاہے درس میں کلام و فقہ کی تعلیم بھی ہوتی تھی - جو لوگ عربی فارسی سے واقف نہ تھے اُن کے سمجھانے کے لیے ہندی زبان میں تقریر فرماتے تھے -

مجھے ایک قدیم بیاض ملی ہے جس میں بیجاپور کے مشہور صوفی خاندان کے بزرگوں کے نظم و نثر کے رسالے اور اقوال جو زیادہ تر ہندی یعنے قدیم اردو میں ہیں ، اس خاندان کے کسی معتقد

نے بڑے اہتمام و احتیاط سے جمع کیے ہیں - اس کا سنہ کتابت ۱۰۶۸ ہجری ہے - چونکہ اس خاندان کے بزرگوں کو حضرت بندہ نواز گیسو دراز سے نسبت ہے اس لیے ان کا بھی ایک آدھ رسالہ اور بعض اقوال وغیرہ اس میں پائے جاتے ہیں - منجملہ ان کے ایک مثلث بھی ہے جو یہاں نقل کیا جاتا ہے —

او معشوق بے مثال نور نبی نہ پایا
اور نور نبی رسول کا میرے جیو میں بھایا
اپسیں اپیں دیکھا و نے کیسی آرسی لایا

حضرت گیسو دراز صاحب تصانیف کثیرہ تھے ' یہ زیادہ تر فارسی میں ہیں اور بعض عربی میں - یہ بھی مشہور ہے کہ انھوں نے عام لوگوں کی تلقین کے لیے بعض رسالے اپنی زبان میں بھی لکھے - ان کا ایک رسالہ " معراج العاشقین " میں مرتب کر کے شایع کر چکا ہوں - اس کا سنہ کتابت سنہ ۹۰۶ ہجری ہے - اس کی زبان کا نمونہ یہ ہے —

" اے عزیز! الہ بندہ پنا یہاں پچھان کو
جانا ' نیں تو شرع جاتا ہے - اول اپنی
پچھانت بعد از خدا کی پچھانت کرنا " -

"انسان کے بوجھنے کوں پانچ تن۔ ہر ایک تن کوں پانچ دروازے ہیں ہور پانچ دربان ہیں۔ پہلا تن واجب الوجود، مقام اس کا شیطانی۔ نفس اس کا امارہ یعنے واجب کی آنک سوں غیر نہ دیکھنا سو۔ حرص کے کان سوں غیر نہ سننا سو، حسد نک سوں بد بوئی نا لینا سو، بغض کی زبان سوں بد گوئی نہ کرنا سو، کینا کی شہوت کوں غیر جاگا خرچنا سو۔ پیر طبیب کامل ہونا، نبض پہچان کوں دوا دینا" —

علاوہ اس رسالے کے میرے پاس آپ کے متعدد اور رسالے اس زبان میں ہیں "تلاوت الوجود"، "دراسرار"، شکار نامہ، تمثیل نامہ، ہشت مسایل وغیرہ۔ اگرچہ زبان ان کی قدیم ہے لیکن یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ انہیں کی تصنیف ہیں یا اُن سے منسوب ہیں۔ بیاض مکتوبہ ۱۰۱۲ھ کے علاوہ دو اور بیاضوں میں ان کی ایک غزل قدیم طرز ریختہ میں ملی ہے جس کی نسبت یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہیں کی ہے۔ البتہ مقطع میں تخلص انہیں کا ہے۔ وہ یہ ہے —

توں تو صحی ہے لشکری کر نفس گھوڑا سارتوں
ہوے نرم نہ تجھ اوچڑے پس کھایگا آزار توں
سختیچ گھوڑا زور ہے خود خیال اس کا ہو رہے
تن لوتنے کا چور ہے نہ چھوڑ اس بد تہارتوں
گھوڑے کوں بہیتر کھوڑ ہے اس کوں نہ حکمت ہورہے
ہر دم ذکر سوں توڑ ہے غافل نہ ہو ہشیار توں
کر دسکلا دل گیان کا انعام دے خوش دھیان کا
چارا کھلا ایمان کا رکھ باند اپنے دار توں
خوگیر شریعت نعل بند زین ہے طریقت زیر بند
حق ہے حقیقت پیش بند تنگہ معرفت اختیار توں
دوہے رکابان نیک بد رکھنا قدم توں دیکھ حد
کچھہ ہو پڑے گا دیکھہ تب توبہ کی چابک مار توں
تب قید گھوڑا آےگا تجھہ لامکاں لے جاے گا
تب عشق جھگڑا پاے گا خدا مار لے تروار توں
شہباز حسینی کہوے کر ہردو جہان دل دھویکر
اللہ آپے یک ہوے کر تب پاوے گا دیدار توں

یہ صوفی بزرگ ہندوستان کے ہر صوبے اور خطے میں پھیلے ہوئے تھے۔ اسی زمانے کے قریب ہم گجرات میں حضرت قطب عالم اور حضرت شاہ عالم کے نام پاتے ہیں جو وہاں مرجع خلایق تھے —

حضرت قطب عالم و حضرت شاہ عالم

سید برہان الدین ابو محمد عبداللہ المشہور بہ قطب عالم ابن سید ناصر الدین ابن سید الاقطاب مخدوم جہانیاں بخاری سنہ ۷۹۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور سنہ ۸۵۰ ہجری میں وفات پاگئے - دس سال کی عمر میں والد کا انتقال ہوگیا۔ ان کے حقیقی چچا اور مخدوم جہانیاں کے مرید و خلیفہ سید راجو قتال ان کی پرورش و تربیت کے متکفل ہوے۔ دو سال بعد سنہ ۸۰۳ ہجری میں اپنی والدہ کے پاس پٹن میں آگئے - سلطان احمد گجرات کا بادشاہ ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ اور جب اس نے احمد آباد بسایا تو پٹن سے احمد آباد آگئے۔ بعد ازاں موضع بٹوہ میں قیام فرمایا اور وہیں انتقال کیا - اس موضع کے قیام کے زمانے کا ذکر ہے کہ ایک روز شب کو نماز تہجد کے لیے اُٹھے، صحن میں ایک لکڑی پڑی ہوئی تھی اس سے ٹھوکر لگی، پانوں میں چوٹ آئی اور خون بہنے لگا۔ اس وقت آپ کی زبان سے یہ کلمہ نکلا "لوہا ہے کہ لکڑی ہے کہ پتھر ہے" *

ایک دوسرا واقعہ یوں مذکور ہے کہ جب

---

* تحفۃ الکرام صفحہ (۱۷) -

آپ کے فرزند سید شاہ محمود معروف بہ شاہ بڈہ کے ہاں شاہ راجو پیدا ہوے (جو اپنے اور بھائیوں سے چھوٹے تھے) تو جس وقت ان کے تولد کی خبر آپ کو پہنچی تو شاہ محمود سے جو سامنے بیٹھے تھے فرمایا "بھائی محمود خوش ہو اساں تہیں و تا تساں تہیں وتا اسانتے گھر جلال جہانیاں آیا" †۔

ان کے فرزند اور خلیفہ حضرت شاہ عالم فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت قطب عالم کے حجرہ مشغولی میں جا پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ سخت بے چین اور مضطرب ہیں اور دیوار پکڑے سارے حجرے میں پھر رہے ہیں اور یہ ہندی کلمات زبان پر جاری ہیں —

"محمد پر میں کھڑیا سائیں پریم چکھاے"

(جمعات شاہیہ) —

حضرت سراج الدین ابوالبرکات سید محمد مشہور بہ شاہ عالم حضرت شاہ قطب عالم کے فرزند اور خلیفہ تھے ان کے ایک مرید نے ان کے اقوال و ملفوظات ایک

---

† تحفۃ الکرام صفحہ (۱۸) —

کتاب میں جمع کئے ہیں جس کا نام جمعات شاہی ہے۔ اس میں حضرت قطب عالم و شاہ عالم وغیرہ کے متعدد اقوال ہندی اور گجراتی میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے چند نقل کئے جاتے ہیں۔ ایک موقع پر فرمایا —

(۱) کاندھی کا راجا تم سر کوئی نبوجھے
سکیں کا راجا تم سر کوئی نبوجھے

فرمودند اگرچہ بزبان ہندی است اما موافق عربی است —

(۲) ایک روز فرمایا کہ حضرت قطبیہ کے عہد میں میرے سر پر کچھہ دیوانگی سی سوار تھی جو کوئی کچھہ سوال کرتا تو خدا سے دعا کرتا اور ہر ایک کا حال برملا کہہ دیتا۔ کسی سے کہتا کہ تیری عمر اس قدر باقی ہے کسی سے کہتا تیرے بیٹا ہوگا اور کسی سے کچھہ کسی سے کچھہ۔ فرماتے ہیں کہ بعد وصال حضرت قطبیہ (قطب عالم) نے یہ بات میرے دل میں ڈالی —

"ابے چھو کرا، بے ادبی بگذار و گستاخی مکن"

فرماتے ہیں کہ کسی نے ذکر کیا کہ ستر یہ میں خدا کا نام نہیں لینا چاہئے میں نے آہستہ

سے کہا کہ اس کا کیا کروں حق تعالیٰ خود مجھے نہیں چھوڑتا - بادشاہ گھوڑے پر سے نہیں اُترتا گھوڑا بچارا کیا کرے —

ایتو بدو بر بھو یا کیں اکھارے
ھوں لاج سروں بیگ نیار و نہوے

ایک روز حضرت شاہ عالم گھوڑ بہل میں سوار جا رہے تھے اور میاں مخدوم شاہ (احمد) بھی ھمرکاب تھے - سلطان شاہ غزنی قدس سرہ جو سلاطین گجرات کے اعزہ میں سے تھے گھوڑے پر سے اترے اور نہ سلام آداب کیا - میاں مخدوم نے کہا کہ حضرت آپ نے اس جوان کے غرور و کبر کو ملاحظہ فرمایا - آپ نے ھندی زبان میں ارشاد کیا —

" ارجن جی کا او نہ بھایا ھوے تو تجھہ
سے فقیروں کی برسوں تیں کتاسی کرے" *

ایک روز سید محمد را جو قتال کے مناقب کا ذکر آیا - یہ سیدالاقطاب مخدوم جہانیاں کے چھوٹے بھائی اور حضرت قطب عالم کے چچا تھے - ان کی والدہ کا نام جلت خاتون تھا - حضرت مخدومیہ نے ان کے حق میں زبان اُچہ میں فرمایا —

---

* تحفۃ الکرام صفحہ ۴۱ -

"تسان راجے اساں خواجے"

یعنے

تم بادشاہ اور ہم وزیر

حضرت سید محمد جونپوری

حضرت سید محمد جونپوری بہت بڑے بزرگ اور صاحب تصرف گزرے ہیں۔ ان کے مرید اور پیرو انہیں "مہدی آخرالزماں" مانتے ہیں۔ لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے ان کا بہت سا زمانہ سیاحت میں گزرا۔ ان کے بعض اقوال فرقہ مہدویہ کی کتابوں میں اب تک محفوظ ہیں۔ ان میں سے چند یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ باوجود علم و فضل کے وہ اکثر ہندی یا گجراتی میں مخاطبت فرماتے تھے —

(۱) شیخ احمد کھٹو * کی نسبت آپ نے فرمایا "رو پیٹنے خدا کوں پونچے" (یعنے بہ گریہ و زاری خدا رسید) (از تاریخ سلیمانی جلد اول)۔

---

* احمد کھٹو مشہور بہ گنج بخش بہت بڑے بزرگ اور شیخ وقت گزرے ہیں۔ سنہ ۱۰۲ ہجری میں بعہد حکومت مظفر خاں گجرات میں آئے سنہ ۱۰۷۱ ہجری میں انتقال فرمایا۔ موضع کھٹو میں مدفون ہیں۔ (تحفۃالکرام صفحہ ۲۲۔ مرآۃ احمدی صفحہ ۵۰) —

(۲) خراسان کے سفر میں سلطان حسین کی فوج نے آپ کے اصحاب کو تکلیف دی اور جب سلطان کو اس کی خبر پہنچی تو اس کی معذرت کی۔ اس وقت سلطان کے سفیر کے سامنے یہ جملہ فرمایا "شہ کی چوت شکر کی پوت"

(۳) حج کے سفر میں یہ دوہرا فرمایا —

ہوں بلہاری سجنا ہوں بلہار
ہوں سر جن سہرا ساجن مجھہ گل ہار

(از شواہدالولایت)

(۴) رحلت سے کچھہ پہلے یہ دوہرا ارشاد کیا —

ہیرو تت * پکہال توں کان پر دھوے مدھوے
او جول ہو ویں نچھوت سی سکھہ نندری ناسوے

یہی دوہرہ بیدر میں قاضی علاءالدین بیدری کو مخاطب کر کے فرمایا تھا (شواہدالولایت)

(۵)۔(۶) ذیل کے دو دوہرے مجھے اسرار عشق تصنیف مومن (۱۰۹۱) کے ایک قدیم نسخہ میں ملے ہیں۔ جس کے سر ورق پہ عبارت درج ہے —

"این کتاب مسمی با اسرار عشق معض
ابتدا تا انتہا شرح نقل مقدسہ سید محمد

---

* (ہراتت)

مہدی موعود است و سوائے این حرف نیست - نقل اینست کہ مہدی علیہ اسلام فرمود " تمام عالم مصطفی کے ولایت کا صفت کرنے بیچ سوا - ہمارے ملانے دو کو جری دھیان میں مصطفی کی ولایت کی صفت کیے "

دوہرہ

چندر کہے ترا ایں * کوں سورج دیکھو آئے
ایسا بھگونت جو بھتیے دشت پاپ چھر جائے

دوہرہ دیگر —

تو روپ دیکھہ جگ موہیا چند ترا ایں * بہاں
اتہیں روپ پہان ہوں کو وہی نہ ہوے آں

ایں تمام کتاب شرح و تفسیر ہمیں دو دوہرہا است —

آپ کی ولادت سنہ ۸۴۷ ہجری اور وفات سنہ ۹۱۰ ہجری میں بہ مقام فراہ (بلوچستان) واقع ہوئی وہیں مدفون ہوے —

شیخ بہاءالدین باجن

شیخ بہاءالدین باجن (ولادت سنہ ۷۹۰ ہجری وفات سنہ ۸۱۲ ہجری) برہان پور کے اولیاء اللہ میں سے ہیں- شیخ عزیزاللہ المتوکل

* (نسخہ) ترامن —

علی اللہ کے مرید تھے۔ آپ کی ایک کتاب "خزانۂ رحمت" ہے جس میں اپنے مرشد کے ملفوظات اور ارشادات جمع کئے ہیں۔ بقول صاحب تاریخ برہان پور "اُس زمانے میں جو ملک ہند کی طرز زبان تھی اس طور پر کلمات شعر بہ مضمون تصوف کبھی کبھی موزوں فرماتے تھے" ... از آنجملہ یہ ہے پردۂ پوربی میں۔

یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے
مدل سن میں دھمکے رباب رنگ میں جھمکے
صوفی ان پر ٹھمکے
یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے

پروفیسر شیرانی نے ان کے متعدد اشعار لکھے ہیں۔ ان میں دو ایک یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

یہ فتنی کیا کسی سے ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے
اول آں چھل بہت چھلائے آں چھو ہری بہتی کہائے
آں رو کر بہت رلائے
یہ فتنی کیا کسی سے ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے

محمد سرور پریم کا رحمت اللہ بھریا
یا جن جیوڑا وار کر سر آگیں دھریا

روزے دھر دھر نماز گذاری دینی فرض زکوٰۃ
بن فضل تیرے چھوٹک ناھیں آکیں مکھ میں بات

شیخ عبدالقدوس گنگوھی۔

شیخ عبدالقدوس گنگوھی (ولادت سنہ ۸۶۰ ھجری وفات سنہ ۹۴۵ ھجری) شیخ محمد بن شیخ احمد عبدالحق چشتی صابری کے مرید اور صاحب تصانیف کثیرہ ھیں۔ وہ ھندی کے شاعر تھے اور الکھ داس تخلص کرتے تھے۔ پروفیسر شیرانی نے اپنی کتاب "پنجاب میں اردو" میں ان کے کلام کا نمونہ دیا ھے۔ اس میں سے یہ چند شعر نقل کئے جاتے ھیں۔

دھن کارن پی آپ سنوارا بن دھن سکیں کنت کنہارا
شہ کھیلے دھن سانہیں ایواں باس پیول میں اچھے جیواں
کیوں نہ کھیلوں تج سنگ میتا سجہ کارن تیں ایتا کیتا
الکھ داس آکھے سن سوئی سوئی پاک ارتھ پھن سوئی

جدھر دیکھوں ھے سکھی دیکھوں اور نکوئی
دیکھا بو جد بچار سنہ سکھی آ ہیں سوئی

حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری -

حضرت شاہ محمد غوث بہت بڑے بزرگ اور اہل اللہ میں تھے شیخ وجیہ الدین جیسے بلند پایہ عالم اور شیخ بھی ان سے ارادت رکھتے تھے اگرچہ وہ مرید شاہ قادن تھے مگر فیض روحانی انہیں شاہ محمد غوث ہی سے حاصل ہوا - مقصود المراد (ملفوظات سید ہاشم علوی) میں خود شاہ ہاشم (جو شیخ وجیہ الدین کے بھتیجے ہیں) کی زبانی یہ لکھا ہے کہ شاہ وجیہ الدین کی تربیت حضرت شاہ محمد غوث نے فرمائی اور علم حقایق سکھایا اور باوجودیکہ انہوں نے بائیس سال کی عمر میں ایک سو بیس علم تحصیل کئے لیکن خود شاہ صاحب (شاہ وجیہ الدین) فرماتے تھے اگر میں شیخ سے ملاقات نہ کرتا تو میں مسلمان نہ ہوتا اور پھر فرمایا کہ جو معرفت اللہ تمام عمر میں حاصل نہوئی تھی وہ ایک شب میں حاصل ہوگئی —

اس کتاب میں شاہ صاحب کا ایک ہندی قول سید شاہ ہاشم کی زبانی بیان کیا گیا ہے —

"بھیکی بچہ خدا کو نہ میلے"

یعنے بھکاری کو خدا نہیں ملتا ان کے بعض اور اقوال اور ہندی اشعار بھی میری نظر سے گزرے ہیں جنکو

میں وقت کی تنگی کی وجہ سے اس وقت تلاش نہیں کرسکا -

حضرت کا انتقال سنہ ۹۷۰ ھجری میں آگرہ میں ہوا ' گوالیار میں دفن ہوئے - آپ کی عمر بقول بدایونی وفات کے وقت اسی سال کی تھی -

شیخ وجیہ الدین احمد علوی -

شیخ وجیہ الدین احمد العلوی قدس سرہ بہت بڑے عالم اور صاحب باطن ہوے ہیں - صاحب تصانیف ہیں - سنہ ۹۱۰ ھجری میں محمد آباد (جانپانیر) میں پیدا ہوے اور سنہ ۹۹۸ ھجری میں انتقال فرمایا - آخر عمر احمد آباد میں درس و تدریس اور تعلیم و تلقین میں مصروف رہے - اگرچہ وہ اور ان کے خاندان کے دوسرے بزرگ شاہ قادن کے مرید تھے لیکن فیض روحانی اور معرفت الہی شیخ محمد غوث سے حاصل ہوئی - آپ کے مریدوں نے آپ کے ملفوظات کتاب کی صورت میں جمع کئے ہیں جس کا نام بحرالحقایق ہے - اس میں جگہ جگہ ان کے ہندی اقوال درج ہیں - شیخ کے مرید ان سے سوال کرتے ہیں اور وہ اس کا جواب دیتے ہیں - سوال تو فارسی میں لکھے ہیں لیکن جواب خود شیخ ہی کے الفاظ میں ہندی میں تحریر کئے ہیں - یہاں چند مقام نقل کئے جاتے ہیں -

لفظ ' فرمودند که " جس چیز میں ذوق و شوق پاوے اوسے ترک نہ دیوے " یعنے در آں چیز یکہ صوفی ذوق و شوق یابد آں چیز را ترک ندهد - شخص گفت اگر آں چیز متفق الحرمت باشد چه کند از و اعراض نموده فرمودند " بھونڈا ہوئے سونا کرے "

لفظ ' عزیزے عرض کرد - بخانۂ دنیا داراں فروم - فرمودند -

" کاہے دنیا دار بھی اپنیچ " یعنے اهل دنیا نیز از ماانند-

لفظ ' سی فرمودند - طالب کشف نباید شد -

" اپنوں کوں کیا کشف ہوے یا نہوے کام اس کا ہے "

در حکایت کردن فرمودند " کیا ہوا جو بھوکوں موا - بھوکوں موے تیں کیا خدا کوں انپڑیا ' خدا کوں انپڑنے کی استعداد ہو رہے " -

لفظ ' کسے از ریاضت عرض کرد ' فرمودند " میں کہاں یا کدھاں ریاضت کیتی " —

لفظ ' فرمودند " جیسی تجلی پکڑے تیسا ارادہ دیوے اگر عبد کی تجلی پکڑے عبدیت ارادہ دیوے " -

شیخ بہاءالدین برناوی خاتم التارکین

شیخ بہاءالدین برناوی خاتم التارکین اکبر و جہانگیر کے عہد کے بزرگ ہیں - ہندوستان کے مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کی -

سو سیقی کے دلدادہ تھے اور خود اس فن میں بڑا کمال رکھتے تھے - بلکہ بعض چیزوں کے موجد ہوے ہیں - پروفیسر شیرانی نے اُن کے حالات اور ان کا کلام کتاب چشتیہ تصنیف مخدوم علاء الدین ثانی سے نقل کیا ہے - وہیں سے ان کے کلام کا یہ نمونہ درج کیا جاتا ہے -

ان نینن کا یہی بسیکہ
ہوں تجہ دیکھوں توں منجہ دیکہ

خواجہ خضر کے حق میں کہا ہے —

دائم حیات کائم کرامات ملاکات نعمت پاؤ نہم
ندی تیر درم بہاری بیبر پھرت سرھت ہوتیاں تیاری پر
رحم کیجیے کرپا تیں دیجیے کا کہوں زاوری سے
تم کیواجہ* کیدروے † سہتر الیاس رہ دور پاس یاجگت اگم ‡

سید شاہ ہاشم حسنی العلوی | سید شاہ ہاشم حسنی العلوی بن قاضی برہان الدین بن قاضی نصر اللہ بن قاضی عماد الدین بہت بڑے بزرگ ہوے ہیں - قاضی برہان الدین اور شاہ وجیہ الدین دونوں قاضی

---

* خواجہ -
† خضر -
‡ جو نہ مل سکے -

نصر اللہ کے بیٹے تھے - شاہ وجیہ الدین سب سے بڑے تھے اور قاضی برہان الدین سب سے چھوٹے - آپ نے سنہ ۱۰۵۹ ھجری میں انتقال فرمایا ' آپ کے ایک مرید حاضر باش شاہ مراد ابن سید جلال نے آپ کے تمام اقوال و حالات جو شاہ صاحب کی زبانی وقتاً فوقتاً سنے ایک کتاب کی صورت میں جمع کردئے ہیں - جس کا نام انہوں نے "مقصود المراد" رکھا ہے - اس میں جا بجا کثرت سے شاہ صاحب کے ہندی اقوال و ابیات اور نظمیں بھی موجود ہیں جو انہوں نے خود شاہ صاحب کی زبانی سنکر قلمبند کی ہیں ' ان میں سے چند یہاں نقل کی جاتی ہیں —

نکتہ :—

ہاشم جی چھولاں * اور پیویں و حدت کے بحر
ہو ویں متوالے سحر ڈنی † جوں قاتل زہر

سید شاہ ہاشم اپنے چچا زاد بھائی میاں عبداللہ ابن شاہ وجیہ الدین کی خدمت میں بغرض بیعت و ارادت حاضر ہوے ' میاں صاحب نے فرمایا بیٹھو

---

* موجیں -
† دنیا -

آپ نے کہا میں تو خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ انھوں نے کہا تم میرے بھائی ہو میں تم سے کیسے خدمت لے سکتا ہوں، آپ نے کہا میں تو اسی نیت سے حاضر ہوا ہوں اور برابر دست بستہ حاضر رہے۔ چند روز کے بعد شب کو انھوں نے دیکھا کہ حضرت میاں شاہ عبداللہ فرما رہے ہیں کہ مجھ میں جو کچھ ہے وہ میں نے تجھے بخشا اور یہ پانچ شغل جس طرح کہ میں کہتا ہوں تم کرو۔ اس واقعہ اور ان اشغال کو شاہ ہاشم نے اس طرح نظم میں ادا کیا ہے —

ہنس ہنس سپلے کہیا نا نہاں
دیوں تجی سب جے منج ما نہاں
میں بی نم نم * سر کو لیتا
کیوں نلیو جو دیوے میتا
پانچ شغل مکھہ آکہیں سائیں
جیوں رے کہوں ہوں چلن توانہیں
شغل تکفینا کہیا پیو
ننیا برا یک جانے جیو

---

* جھکا نا —

جیھا لو ڑے آپس توں
تیھا لو ڑے ساروں کوں
تن منہ اپنی صورت دیکھہ
آپس تھیں کوی جوا ڈایکھہ
شغل الٰہی کی حد جان
بی بی بولو جیو نہ آن
پالو بی تن مت ابھر اے
ھاشم جی پیو یوں سمجھاے
تھی دو شلبہ کیری رات
شاہ عبداللہ آکھی بات

نکتہ :—

اے دنیا کے لوک کیڑے مکوڑے
گییو شہد پر دوڑاتے گھوڑے
تو بتیے بہت نکلتے تھوڑے

نکتہ :—

نامنج زن نامنج فرزند
نامنج بیائی نامنج بند
ھاشمی پیو سوں سند*

---

* ملنا —

نکتہ :—

پہلوانوں پہلی شرط یہ
نلائیں پہلو بھوئیں وہ
ہاشمی جیتے مد ماتے بھاری
علوی لوٹیں دن راتیں ساری

نکتہ :—

انہا الاعمال بالنیات
نہیں عمل مگر نیت سوں بات
جو ایسی نیت دیوے ہات
نولا سیاں † کہیلوں شہ کے سات

چکری :—

کہیو ہو چک میرے پیو
بھوت دنن کا اُلجا جیو
باہر کوپ گیتا کر آوے
تل دھارن ‡ کوہجی گوڑی کیجاوے
مور چکارے ہے بن ماتی
پسو پکی سب تیرے راتی

---

† رنگ رلیاں —

‡ ذرا —

کئی کئی بھانتو بھاؤ دکھاتے
کہیو ہو چک مرے پیو
بھوت دنن کا اُلجا جیو
بھر بھوئی رنگ رت * میری
وے رت آوے سو دھن کیری
بھور پیا گھر آؤ سویرے
کہیو ہو چک میرے پیو
بھوت دنن کا اُلجا جیو
نین ہمارے نس دن روو وے
میت بنا کہو کیوں جنم کھو وے
ہاشم جی سک ہووے تب مکھہ میتا جو وے
کہیو ہو چک مرے پیو
بھوت دنن کا الجا جیو

چکری :—

جاے کہو یک تل آے پیا سسکتا جیو دھسکتا ہیا
لا الہ نفی الاالہ اثبات محمد برحق بلاسیم احمد ذات
جاے کہو ایک .....
نفی کل ہوا مانوں تو کل اثبات ہووے جو

---

* سرخ رنگ

ہاشمی رخسار پھڑکتے علوی دھڑکتا ہے جیو
اب آنے کی ہے بدھائی پیو جاے کہو .....

نکتہ :—

یہی حجت ہے بس ہمیں کوں
جس تھیں لیا سب منہ توں توں
پھر باطن تھیں ظاہر آیا
پن ہاں نکتہ واحد لیا یا
ہوا یکا یک آپ دکھایا
اتھیں راز پیا کا بوجھا
تن من منہ جب سائیں سوجھا
ہے توں ہوں ہوں روں روں سانہاں
ایک الف ہو آیا نہاں
کرنا بیاؤ سوتیا نیں تھا نہاں
توں تھیں نور ظہور ہو آیا پنج حرفوں نکا لیا یا
کر کر لٹکے آپ دکھایا

اب تک میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان صوفی اور اہل اللہ جو ہدایت اور تلقین پر مامور تھے اور جن کا اثر اہل ملک پر بہت بڑا تھا وہ سب ہندی جانتے تھے۔ چنانچہ اس بیان کی تصدیق

میں ان کے اقوال و ابیات اور نظمیں جو اُن کے ملفوظات یا بعض تاریخوں میں ضمناً یا محض اتفاقی طور پر آگئی ہیں پیش کی گئی ہیں - ان اقوال و ابیات میں سے بعض خالص ہندی میں ہیں اور بعض ایسی ہندی میں جو عربی فارسی الفاظ یا ترکیبوں سے مخلوط ہے - اب میں اُن بزرگوں اور صوفیا کا ذکر کرتا ہوں جو ہندی یا مخلوط ہندی یا ریختے میں صاحب تصانیف ہوے ہیں - جن حضرات کا ذکر اس سے قبل ہوا ہے ممکن ہے کہ ان میں بھی بعض نے ہندی یا مخلوط ہندی میں رسالے یا کتابیں یا مسلسل نظمیں لکھی ہوں ' لیکن ان کی تصانیف (اگر در حقیقت کچھہ تھیں) اس وقت تک دستیاب نہیں ہوئیں - اب اس کے بعد میں اُن صوفیا اور اہل اللہ کا ذکر کروں گا جن کا کلام دستیاب ہوچکا ہے اور میرے پاس موجود ہے -

افسوس ہے کہ اب تک حضرت امیر خسرو کے ہندی کلام کا سراغ نہیں لگا اور جب تک نہیں ملے گا اس کا افسوس رہے گا - اس میں ذرا شک نہیں کہ وہ ہندی زبان کے ماہر تھے - اور ہندی میں ان کا کلام موجود تھا جس کا اعتراف خود انھوں

نے اپنے دیوان کے دیباچے میں کیا ہے - اگر کبھی ان کا ہندی کلام ملا تو اس وقت اس کی پوری کیفیت اور حقیقت معلوم ہوگی - فی الحال جو متفرق کلام تذکروں میں ' بیاضوں میں یا جو لوگوں کے زبانوں پر ہے اس کے چند نمونے نقل کر دیے گئے ہیں - خسرو کے فارسی کلام میں بھی ہندی الفاظ جا بجا استعمال ہوے ہیں جنھیں وہ بڑے سلیقہ سے استعمال کرتے ہیں - جس طرح وہ ہندی زبان کے ماہر تھے اسی طرح وہ ہندی موسیقی میں بھی درجۂ کمال رکھتے تھے - ان دونوں کا ساتھ لازم و ملزوم ہے ' جس طرح انھوں نے ہندی موسیقی میں فارسی نغمہ کا پیوند لگایا ہے بعینہ اسی طرح انھوں نے ہندی اور فارسی کو ملایا ہے اور حضرت امیر کے حق میں یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سر زمین ہند میں اس زبان کا بیج بویا جو بعد میں ریختہ ' اردو ' یا ہندوستانی کے نام سے موسوم ہوئی —

اُن کی جو چیزیں ہمیں زبانی پہنچی ہیں اُن کے متعلق بدگمانی کرنا درست نہیں - ہماری بہت سی ایسی عزیز چیزیں ہیں جو سینہ بسینہ ہم تک

پہنچی ہیں یہ سچ ہے کہ ان میں تصرف کیا گیا ہے
لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان کی نہیں - بعض
ایسی بھی ہیں جو اُن سے منسوب کردی گئی ہیں
لیکن منسوب کرنے والوں کی نظر میں ضرور ایسی
اصلی چیزیں تھیں جن کی نقل اتارنے کی انھوں نے
کوشش کی ہے اور جہاں جعل بنانے میں ذرا سی
بھی کسر رہ گئی ہے تو اُن کی چوری پکڑی
گئی ہے اور وہ چیزیں اپنی وضع و ترکیب اور زبان
کی وجہ سے خود بخود ساقط الاعتبار ہو گئی ہیں -
یہ تو زبانی چیزوں کا حال ہے - تحریری کلام بھی
تصرف سے محفوظ نہیں رہ سکا - کیا سعدی کی گلستاں
بالکل وہی ہے جو سعدی نے لکھی تھی یا فردوسی
کا شاہنامہ بعینہٖ وہی ہے جس کے لئے اُس نے تیس
سال خون جگر کھایا تھا —

شمس العشاق شاہ میراں جی

اگر حضرت گیسو دراز کے رسالۂ معراج
العاشقین سے قطع نظر کی جائے اور اُسے
منسوب خیال کیا جائے تو پہلے صوفی بزرگ جن
کا کلام مستقل طور سے ملتا ہے وہ حضرت شاہ
میراں جی شمس العشاق بیجاپوری ہیں جن کا سنہ
وصال لفظ "شمس العشاق" سے سنہ ۹۰۲ ہجری نکلتا

ہے - آپ مکہ میں پیدا ہوے اور کچھ دنوں بعد
ہندوستان آئے اور حضرت شاہ کمال الدین مجرد
بیابانی سے بیعت ہوئے - شاہ کمال الدین کو شاہ
جمال الدین مغربی سے بیعت تھی اور وہ حضرت سید
محمد حسینی گیسو دراز کے مرید تھے - حضرت گیسو
دراز کا فیض دکن میں بہت وسیع اور عام ہے
اور اُن کے روحانی فیوض کچھ بھی ہوں لیکن اُن
کا یہ فیض کچھ کم نہیں کہ اُن کے سلسلہ میں
اس زبان کو روز افزوں فروغ ہوا جو وہ اپنے ساتھ
دہلی سے لائے تھے - کیا یہ کچھ کم کرامات ہے کہ
ایک شخص جو مکہ میں پیدا ہوتا ہے ہند میں
آکر یہیں کی زبان میں تعلیم و تلقین کرتا ہے -
یہی نہیں بلکہ اُسی میں لکھتا پڑھتا اور اُسی
میں نغمہ سرا ہوتا ہے - چنانچہ وہ خود اپنے حال
میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ مکہ سے مدینہ
شریف کی زیارت کو گئے اور تقریباً بارہ سال
روضۂ مبارک کے قریب رہے - ایک روز شب جمعہ کو
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہندوستان
جانے کے لئے ارشاد فرمایا تو آپ نے نہایت عجز
سے یہ عذر کیا کہ میں ہندوستان کی زبان سے

ناواقف ہوں - آنحضرت نے زبان مبارک سے فرمایا "ھمہ زبان بشما معلوم خواھد شد" اور یہی ہوا - ان کا تقریباً سارا کلام (جو اس وقت تک مجھے دستیاب ہوا ہے) اسی ہندی زبان میں ہے - اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ اس وقت ہندوستان کی عام زبان یہی تھی اور دو آبے، پورب، پنجاب، گجرات، دکن وغیرہ میں اسی کا تسلط تھا - شاہ میراں جی بڑے با برکت بزرگ تھے انھوں نے بیجاپور میں ایک ایسے خاندان کی بنیاد ڈالی جس میں اُن کے جانشین یکے بعد دیگرے کئی پشت تک بڑے صاحب علم اور صاحب ذوق ہوے اور انھوں نے اسی کو اپنی زبان سمجھا اور اسی زبان میں سلوک و معرفت پر متعدد رسالے اور نظمیں لکھیں - اس خاندان کے مریدوں اور معتقدوں نے بھی اپنے مرشدوں کی پیروی میں اسی زبان کو اپنی تصنیف و تالیف کا ذریعہ بنایا - یہ اسی مبارک خاندان کا اثر تھا کہ بیجاپور میں زبان کو اس قدر فروغ ہوا اور وہاں ایسے ایسے خوش بیان اور بلند خیال شاعر پیدا ہوے جن کی نظیر اردو کے شاعروں میں بہت کم ملتی ہے —

اس خاندان کے کسی مرید و معتقد نے اس خاندان کے بزرگوں کے تمام کلام کو خاص اہتمام اور احتیاط سے ایک جگہ کردیا ہے۔ وہ قلمی بیاض جو بہت ضخیم ہے مجھے ایک بزرگ نے عنایت فرمائی۔ اس میں شاہ میراں جی کے کئی رسالے ہیں۔ اس قلمی مجموعہ کا سنہ کتابت ۱۰۶۸ ہجری ہے۔

ایک رسالے کا نام شہادت الحقیقت یا شہادت التحقیق ہے۔ یہ خاصی بڑی نظم ہے۔ اندرونی شہادت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شاہ صاحب ہی کی تصنیف ہے۔ وہ اس میں اپنے پیر شاہ کمال بیابانی کا اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ اُن کی تصنیف ہونے میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا۔ فرماتے ہیں —

اس کمالیت کا سلک اس خاندان کا رنگ
اُن گمائے اپنا حال تو ہوے پیر کمال
کچھ تھے نصیب میرے پگ دیکھے تو اُن کیرے

یہ نظم اُن کی دوسری نظموں کے مقابلے میں زیادہ سلیس ہے، بحر صت اور ہندی ہے حمد میں کہتے ہیں —

بسم اللہ الرحمن الرحیم نو سیتن

یہ سب عالم تیرا رزاق سبھوں کیرا
تجھ بن اور نکوئے نا خالق دو جا ہوئے
جے تیرا ہوے کرم تو تو تے سبھی بھرم
اس کارن تجھ کو دھاوں اور تیرا نام لیوں
تجھ فرتا کون جانے اور پوری صفت بکھانے
ہے تیرا انت نہ پار کس مو کہوں کروں اچار *
جو تیرا امر جانے اس نہی کو نہ مانے

اس کے بعد نعت کے چند شعر ہیں پھر منقبت اور منقبت کے بعد اپنے پیر کا ذکر ہے اور اس کے بعد تصوف کی معمولی باتیں ہیں - لیکن اس سے قبل کہ وہ تصوف اور معرفت کے مسائل بیان کریں ' ہندی زبان میں لکھنے کی وجہ اور معذرت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو عربی جانتے ہیں نہ فارسی ' ان کے لئے ہندی میں یہ باتیں لکھی گئی ہیں - ظاہر پر نہ جانا چاہئے باطن کو دیکھنا چاہئے - زبان کوئی بھی ہو معنوں پر خیال کرنا چاہئے - جیسے مٹی چھان کر سونا نکالتے ہیں اسی طرح بات کے مغز

---

* بیان -

کو لو اور لفظوں پر خیال نہ کرو - وہ اسے گھر بھاکا کہتے ہیں یعنے وہ زبان جو گھورے پر کی ہے - اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت اہل علم کی نظروں میں اسکی کیا قدر و منزلت تھی - لیکن ساتھہ ہی کیا اچھی تشبیہ دی ہے - وہ کہتے ہیں کہ یہ سمجھہ لو کہ گھورے پر بارش ہوی اور وہاں کسی کو چمکتا ہوا ہیرا مل گیا - یہ زبان گویا گھورے کا ہیرا ہے ' کوئی معقول آدمی ایسے ہیرے کو گندہ سمجھکر پھینک نہیں دے گا۔

ہیں عربی بول کیرے اور فارسی بہتیرے
یہ ہندی بولوں سب اس ارتوں کے سبب
یہ بھاکا بیلسو بولی پن اسکا بھاوت کھولی
یوں گر مکہ پند پایا تو ایسے بول چلایا
جے کوئی اچھیں خاصے اس بیان کرے پیاسے
وے عربی بول نہ جانے نہ فارسی پچھانے
یہ ان کو بچن ہیت سنت بو جھیں ریت
یو دیکھت ہندی بول پن سعنی ہے نپتول
کڑوے پن سو رس پھل پاکے جوں پھنس
نادیکھت بورا لیکھو لے مغز چاٹ دیکھو
جے مغز میٹھا لاگی تو کیوں من اس توے بھاگے
تیوں اس میں ارت نیچ سب قرآن کرے بیچ

وہ مغز معنے لیو سب چھال چھوڑ دیو
یا وہ دیکھے چھارا * اس ماٹی کا پسارا
نا ماٹی اس کو ھان وہ راکھے سمیت آن
یہ چھان سلّا لیوے اور بعضے ناکہ دیوے
یوں بھاکا ماٹی جانو زر معنی دل میں آنو
تو جس کو بھاوے جوڑ نا جاسی یہ گن چھوڑ
ھے کڑواں کیرا ھیرا گھوڑ اوپر پڑیا نیرا
کوئی سجان بھاگوں پاوے تو کیوں نالیہ اچاوے
گھڑ بھاکا چھوڑ دیجے چن معنی مانک † لیجئے

اس کے بعد کتاب کا نام اور اس کی خوبیاں بتائی ھیں - چنانچہ فرماتے ھیں —

اس نام ھے تحقیق سن شہادۃ التحقیق
اس کا مغز دریا جے دیکھہ نت رھے بھریا
سب ھیروں کیری کھان ناموتیوں کیری وان
جے غواص بودہ سیوے تو سالم سودھا لیوے
جے ھوے کا سچھارا کیا جانے کا بچارا

اس کے بعد تصوف کے مسائل بیان کئے ھیں اور یہ سب سوال و جواب کے طرز میں ھیں - سوال طالب

---

* کھار † موتی

کی طرف سے اور جواب مرشد کی جانب سے۔

ان کا ایک اور رسالہ ہے جس کا نام "خوش نامہ" ہے۔ یہ بھی منظوم ہے اور اس میں کچھ اوپر ایک سو ستر دوہے یا شعر ہیں۔ چنانچہ خود ہی کتاب کا نام اور اشعار کی تعداد بتاتے ہیں۔

اس خوش نامہ دھریا نام دوہا ایک سو ستر

ہندی شعرا بعض اوقات تصوف اور معرفت کی باتیں عورت سے خطاب کر کے یا عورت کے حالات میں بیان کرتے ہیں۔ مثلاً یہ دنیا اس کی سسرال ہے اور عالم آخرت اس کا میکا ہے۔ اس طرح بطور استعارہ عورتوں کے تمام مناسبات مثلاً زیور پہننا، مہندی لگانا، چرخا کاتنا وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ اس نظم کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوش یا خوشنودی یا تو ایک فرضی لڑکی ہے یا حضرت کی کوئی عزیز ہے جس کے لئے یہ نظم لکھی ہے۔ اول اس کا نسب نامہ بیان کیا ہے، پھر اس کے سبھاؤ کا ذکر کیا ہے کہ وہ بھولی بھالی ہے، ستونتی ہے، سب کی پیاری ہے۔ دوسری لڑکیوں کی کی طرح بناؤ سنگار نہیں کرتی ہے بلکہ اس کے دل میں خدا کی لگن لگی ہوئی ہے اور اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔

کبھی نہ رنگی میدھی رنگوں پھولوں باس نہ آیا
رنگ نہ رنگیا دنتوں اس کے بھینی نہ ھاڈوں کایا
کہے منجھ سیر سہاگ اللہ کا چھوڑ رھیا سہا و ا
اب کیوں سر سہاوے دو جاتم کو ناھیں ٹھاوا
اُس کے رنگوں رنگی ساڑی دوجا رنگ نہ بانی
اُس کی باسا ھم کو باسا پھول پھو کت کی آنی
ایسی باتیں کرے گنو نتی مورکھ بو جھیں سدہ
یہی من میں آوے اپنے چھند سوھی سکھاویں بودہ

جب لوگ اُسے بے پروائی اور بے نیازی کا طعنہ دیتے ھیں تو وہ جواب دیتی ھے کہ ھمیں یہی رنگ بھاتا ھے اور ھمیں دنیا اور اُس کے عیش و آرام سے کچھ کام نہیں۔

کہے یہ سب حکم خدا کا جے تم آکھیں یوں
ھم کو بھاوے یک اللہ سو کرے وہ بھاوے تیوں
نا ھم ا چھیں سو کچھ سنسارا نا ھم اچھیں چاؤ
ھم تو راون اوڑیں اس سے جے ھے راون راؤ
جے نرگن گنوں کا سبن گن کوں سو بوجھے اب
پن پاپ ست دیجے آپ شہ سوں میلا ھوئے تب

اس کے بعد پیر کی تعریف اور اچھے برے پیر کا امتیاز بیان کیا ھے —

پیر وہی جو پیرم لگاوے نور نشانی عین
مزہ کی سدہ لکھاوے جہاں دیس نہ رین

جس مارگ تہیں جیو سنچرے* سوہی مارگ سار
مارگ چھوڑ چلے کو مارگ تن کا ہین بچار
کریں جھیں وہ تیرت پتن یوگ ابھاسیں دھیان
پا نچو چیز ریاسوں راکھیں کیوں کر دیجے مان
چندر سور کی ارتہ دکھاویں کریں اچنبھ جب
ذاکر ہوسن دم چلاویں یہ بھی دھیان الب†
اونچت موندھ پھریں پھوکت ترت کریں پاجم
تہاں دیکھ جسے دیویں سان وہ بھی سورکھ نلیم

.....

جن کو شہوت کیراہاوا ان کوں دیسے پیر
جن کے پیر شیاطیں وے تو نہ آویں کے حق دھیر
سُور کے گل بندھیا مشک وہ دیا اس کو جانے
اُس کے قائیں سر جیا وہ سوہی پچھان مانے
یا گدھڑے پر قراں لاد یا یک نہ بوجھے بوجھ
لایق اپنے کرے بیان لیہ سو کر اپنا کھوں

غرض اسطرح پیروں کے صفات اور ان کے کرتوتوں کا ذکر برابر چلا جاتا ہے۔ آخر وہ میراں جی سے عرض کرتی

---

* چلے † تھوڑا ‡ گدھا۔

ہے کہ میرے حال پر توجہ کیجئے مجھے دنیا اور اس کی لذتوں سے کچھ غرض نہیں، میں تو تمہارے پریم کی پیاسی ہوں اور تم ہی سے میری آس ہے۔ وہ خدا کی حمد کرتی ہے اور اُس سے مناجات کرتی ہے۔

منج نالوڑے الوان نعمت پھوپ بریمل * پان
روکھی سوکھی اوپر خوشی کاہ بڑا ئی مان
نا منج اوڑے پاٹ پٹنبر نہ زر زری سنگار
پھاٹی توٹی کنبلی نیکی کلمہ جپن ہار
نا منج اوڑے پلنگ نہالی صرفے ماڑی باغ
حسرت راکھہ جیونا مرنا یہ تو کسمل † داغ
جے نہ سہایا ڈھول ملاوے کبھو نہ پرگٹ شوق
جے نہ عشقوں آنجھو ڈھالے کبھو نہ پایا ذوق

—)*(—

توں قادر کر سب جگ سب کوں روزی دیوے
توں سبھوں کا دانا بینا سب جگ تجکوں سیوے
سب کی چنتا تجکوں لاگی جیسے جیو جیون
سبکی جان سبھان تونہیں دے جے جسکے من
ایکس ماتی مولی دیوے ایکس ماتی باج
کیتوں بھیک منگاوے کیتوں دیوے راج

---

* خوشبو † ناپاک ذلیل۔

کیتوں پات پتنبر دیتا کیتوں سرکی لایا
کیتوں اوپر دھوپ تلاوے کیتوں اوپر چھایا
کیتے گیان بھگت بیراگی کیتے سورکہ گنوار
ایک دن ایک مانس کیتا ایک پرس ایک نار
ایک فرشتہ یک شیطاں یک چور یک ساؤ
ایک جھاڑ یک پتھر ماٹی ایک اگن ایک باؤ
عرش کرسی لوح قلم دوزخ بہشت نپایا
اسمان سور چندر تارے سب پر حکم چلایا

تجھتے ہی قدرت کوں زور، تجھتے نور نورانا
تجھتے سب کا سبھی پنا تجھ بن سبھیں بیانا
تجھ بن کوئی نہ مار جواے، تجھ بن کوئی نہ آس پوراوے
عالم اوپر بایا بھلا، کرے حکم سوں جیسا بھاوے
بہشت میانے آگ اچاوے، دوزخ کوں سکے بجھاوے
پکڑ بیکاری تخت بیٹھاوے، راجہ راکھیں کر دکھلاوے
فہمندیا نکو کرے دیوانے، سوگیانکو نیہ دو کیہ میں بیانے
کر کر بندگی جرم گنواوے، پھر بھی نیچ غضب کیہ راے
میں اس کارن بہت ترساں تو کر ساؤں کہاں
جہاں جہاں میں چھپ اوروں تو کہاں کہاں
اب نہ چھپوں اب نہ ڈروں، ڈرونکو کہاں تک ڈروں
ہمیں غریب نپائے تیرے، آس تجھ آسے دھروں

ہاتا ہے یا لک تھے روسی جانا انہیں کدھر
آپ جس مارگ لاسی میراں میں جاؤں تدھر

—|*|—

تو رحماں رحیماں میرا، مور سحبت پوریا
میں تو باندی پردا تیری تیں سجھ ہاتوں دھریا
نا میں کیتی بندگی تیری نا دھر کیتی یاد
دائم کیتی آگل تیرے سلکوں تھے فریاد
نیں بھی میرا لاج چلایا کبھوں نہ ہوا اُداس
آپ سندیسا توج گائیں تیری سلجھ کو آس

یہ دعا قبول ہوتی ہے اور ہاتف خوشخبری دیتا ہے، فرشتے ادب سے حاضر ہوتے ہیں اور آسمان سے نور کے طبق آتے ہیں اور پھولوں کی خوشبو سے آسمان زمین مہک اٹھتے ہیں۔ خوشنودی کا یہ آخری وقت ہے اور وہ اس دنیا سے چل بستی ہے، یہ نظم بڑی پر کیف اور دل گداز ہے اور جس ڈھنگ سے شاہ صاحب نے ان خیالات کو ادا کیا ہے وہ بہت پر اثر ہے۔

شاہ صاحب کا ایک تیسرا منظوم رسالہ بھی اسی قسم کا ہے۔ خوش یا خوشی سوال کرتی ہے اور میراں جی جواب دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ

اس کا نام بھی خوش نغز ہے۔ اگرچہ اس میں گنتی کے کل بہتر تہتر شعر ہیں، لیکن اسے نو ابواب میں تقسیم کیا ہے جن میں عرفان و روح، مراقبہ، عقل و عشق، کرامات، موحد و ملحد جیسے مضامین پر بحث کی ہے۔

نظم کی ابتدا میں یہ دو شعر بطور تمہید کے لکھے ہیں —

جے ہماری ارادت کی اُن کا یہ احکام
نماز، تسبیح، نیتاں، ذکر اللہ یک نام
اس پر جیتا رہے صدق سوں اوتا اچھے لاب
دین، دنیا، دیدار، بہشتاں پاوے بے حساب

اس کے بعد اصل نظم شروع ہوتی ہے۔ نمونے کے لئے دو شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

خوش پوچھے کی کہو میرانجی عالم اچھے کیتے
پیر کہیں سن جیتے تن اچھیں عالم تیتے
خوش کہے سچ کہو میرانجی عشق بڑا یہ بودہ
پیر کہیں میں آکھوں ہیاں اس میں کھرڑا سودہ

ایک چوتھا رسالہ شرح مرغوب القلوب ہے جو نثر میں ہے اور حضرت میرانجی ہی کی تصنیف بتایا جاتا ہے۔ اس میں دس باب ہیں جن میں توبہ، طریقت،

حقیقت، شریعت، وضو، دنیا، ترک دنیا، تجرید و تفرید، عشق، معشوق، فنا بقا اور سفر پر بحث کی ہے۔

ان ابواب میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ پہلے قرآن کی آیت ہو مگر وہ زیادہ تر احادیث نبوی لکھتے ہیں اور اس کے بعد ترجمہ اور مختصر تشریح کرتے ہیں۔ دو تین نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

"کل امر ذی بال لم یبدء بہ بسم اللہ فہو ابتر"

پیغمبر کہے جے کچھ کام کریگا کوئی خدا کا نانوں نہ لے کر تو او کام پائمال ہوے گا۔

"الحمد للہ رب العالمین"

سرانا نوازن خدا کوں بہوت کہ او پالنہارا ہے عالم کا۔

"العاقبۃ للمتقین"

ہور اس عالم میں خوبیاں دیوے گا کہیا ہے، اپس کوں بچھالے لوگاں کو ہور پرہیزگاراں کوں۔ "پیغمبر علیہ الصلوۃ کہے خدا کی آشنائی جسے کوئی بوجتا ہے، انو کیاں توں رہ کر انو تھے بوج، انو تھے توں سن ہور چپ نکو اچھ۔ اس چار باتاں کا پند ہے۔ یوں شریعت میں پیلے پاؤں رکھیہ کہ طریقت شریعت ملیہ ہے"۔

خدا کہیا" تحقیق مال اور پنگڑے تمہارے دشمن ہیں، چھوڑ دیو دشمناں کوں اے کیسا غفلت ہے جو تجھے اندھلا کیا موت کی یاد تے تجھے بسرا کر"۔

شاہ میرانجی کا خاندان بھی عجب با برکت تھا، ان کے بیٹے اور پوتے اور پڑپوتے بھی بڑے شاعر گزرے ہیں اور ان کے کلام کا ذخیرہ بہت ضخیم ہے۔ یہاں میں صرف ان کے بیٹے اور پوتے کا ذکر کروں گا۔

شاہ برہان الدین جانم

شاہ برہان الدین جانم حضرت میرانجی شمس العشاق کے فرزند اور خلیفہ تھے اور اپنے وقت کے بڑے عارف اور صوفی تھے۔ ان کی ولادت اور وفات کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوئی لیکن اُن کی ایک نظم جو مجھے دستیاب ہوئی ہے اس کا سنہ تصنیف انہوں نے خود (۹۹۰) ہجری بتایا ہے، اس سے یہ ظاہر ہے کہ ان کا انتقال اس سنہ کے بعد ہوا ہے۔ میرے پاس اُن کے کلام کا بہت بڑا مجموعہ ہے۔ ان میں سوائے ایک کے باقی دس سب منظوم رسالے ہیں جو تصوف و سلوک پر ہیں۔ ان کا کلام میرانجی کے ٹھیک ٹھیک ہے مگر اس سے کسی

قدر صاف ہے اور اس میں شاعرانہ ذوق بھی کسی قدر زیادہ ہے۔ میں اس موقع پر اُن کی تصانیف کا مفصل ذکر کرنا نہیں چاہتا، البتہ اُن کے کلام کے چند نمونے پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے اُن کے کلام اور اس وقت کی زبان کا اندازہ ہو سکے —

حمد میں :—

سکتا، قادر قدرت سوں سمجھے تجھ کوں کوئی کیا
جس کوں اوڑے دیوے راہ کہیا یہہ ہی من یشا
یہ روپ پو گت آپ چھپایا کوئی نپایا انت
مایا موہ میں سب جگ باندھیا کیوں کر سو جاے پنت

(از وصیت الہادی)

اللہ پاک منزہ ذات — اس سوں صفتاں قائم سات
علم، ارادت، قدرت بار — سنتا دیکھتا، بولنہار
حی صفت یہ جان حیات — اس کوں نا ہیں کد مہات
ایسیاں صفتاں سوں ہے ذات — جوں کہ چند نا چاند سنگات

(از نسیم الکلام)

کوئی کہیں سب عشق تمام — عشق کے آنکھیں کیا ہے فہام
عشق لیا ہے سب پھر باس — عشق تہے سگلا بھوگ بلاس
بعض آکہیں اپنی بوجہ — معلوم نہیں کچھ اس کی سوجھ
ایک جمع سب پکڑ یا بار — جونکے بیج تہے نکلیا چھوڑ
کانٹا چھانٹا پھل اور پھول — شاخ برگ سب دیکھ اصول
ایک جمع کر راکھیں بار — بیج نپے کا ناھیں بہار
ایکے بیجیں بیج اپار — بیج نپے سو سگلا جھاڑ
کوئی کہے یہ دیکھ مقیم — یو سب عالم اہے قدیم
نہ اس خالق مخلوق کوے — جیسا تیسا سمجھیا ہوے

(از منفعت الایمان)

کن آدم کا نہ ہاتھہ چڑھے رہے کیوں کیلا انسان
صورت پر اعتبار فراکھیں جیسے ہیں حیوان
بلکہ ان تہے گمراہ کریوں قران میں فرمان
او کاں یہ مت گچھ الادی * جن بوجھ بختوں لادھی
پنتھ اکاس کا وینگم † جانے جل کا مارگ مین ‡
سادھو کا الت سادھو جانے دوجے کوں نہیں چین §

---

* علیحدہ — ‡ مچھلی —
† پرندہ — § پہچان —

ایسا سادھو بھاگوں نہیں تو چرنا رہنا لین
لوکاں یہ مت کچھ الادی جن ہو جہ بختوں لادھی
(از سکہ سہیلا)

علاوہ ان مثنویوں کے شاہ صاحب نے بہت سے خیال اور دوہے بھی لکھے ہیں جن کی ایک اچھی خاصی تعداد میرے پاس موجود ہے۔ ایک ایک مثال اُن کی یہاں لکھی جاتی ہے —

—: خیال :—

اب سندیسا مجھ ہے شہ کا — جب کب بھاگوں انتر ملے
پیر پیرم کے ہیڑے میرے — نینوں مانھہ جوں کنکر ملے
نس دن جاگے برہ ماری — نہ نیندا دیکھے نین پڑے
پلکیں میری آگ بلے کیوں — سپنے دیکھوں سو کھڑے
قول پیا تجھ آس لگی من — آس لگی تجھ پاس رہیں
جب کا جھا نسا تیں مجھ لایا — یک تل نہ مجھے ساس رہیں
نہ کا پینا مجھ کوں لاکا — لوگ دیوانی دیکھ ہنسیں
جگ کی ہانسیں کیا مجھ ہوے — کہو سریجن کہاں بسیں

دھرا :—

جب لگ تن نہیں چھوڑ یا جیو کوں تب لگ ہونا دور
جب لگ نظر نہیں چھوڑی آنکھ کوں تب لگ ہونا نور

جب لگ سپنا نہوں چھوڑ یا کاں کوں یو سب اعضا حال
جب لگ فہم نہیں چھوڑ یا دل کوں یو جوت ہو نرال
یوں سپ تن میں بر تن دیکھ چھوڑیں اے سکھہ دکھہ
دکھہ سکھہ دو فوں یک کرسی تو پاوے سہج کا سکھہ

آپیں جوگی سب جگ چیلا آپیں ایک نات رہے یکیلا
اپنی اچھیا کر سب چیلے نپایا نیکی بدی کے دو سدرے بھایا
کلمہ نبی کا پلتہ سارگ لایا تن کا کنتھا کر سب چیلوں پلھایا
بندگی بھبوت کرنت اگہ لایا
یقین جوگ تنتا تکیہ خاصا لجیا کچھوٹی دے بقدے پاسا
اس تن کے ستہ میں راول کا باسا دھر تری پتر بھر بھو جن کیتا
بادل پھوز واکر پانی دیتا

شاہ برہان کا کلام اگرچہ سادہ ہے لیکن بعض مقامات پر شاعرانہ لطافت بھی پائی جاتی ہے - مثلاً

بن عشق بدہ کو سوچ نہیں
اور بن بدہ عشق کی گوج نہیں
جے آپ کو کھو جیں پیو کو پائیں
پیو کو کھو جیں آپ گنوائیں

ان کا ایک رسالہ کلمۃ الحقایق نام کا

نثر میں ہے ۔ یہ رسالہ اچھا بڑا ہے اور اس میں تصوف کے مسائل سوال و جواب کے طرز پر بیان کئے ہیں ۔ شروع یوں کرتے ہیں —

"اللہ کرے سو ہوے نہ قادر توانا سوے کہ قدیم القدیم اس قدیم کا بھی کرنہار سہج سہج سو تیرا تہار وسہج ہوا بھی توج تہے بار ۔ جدھاں کچھ نہیں بھی تھا تہیں، دو چار شریک کوئی نہیں ۔ ایسا حال سمجھنا خدا تہے خدا کوں جس پر کرم خدا کا ہوے" —

اس کے بعد سوال و جواب شروع ہوتے ہیں ۔ مثال کے طور پر ایک سوال جواب نقل کیا جاتا ہے —

سوال :— "یہ تن الادھا * دستا، و لیکن جیتا بکار ‡ توٹنے نہیں بلکہ ستنتر ‡ بکار روپ دستا ہے، یک تل قرار نہیں، جیوں مرکت ‡ روپ" —

---

* علیحدہ — ‡ قلب، ماہیت —

† ترغیب، تغیر — ‡ بلدر —

جواب:— "اے عارف ظاہر تن کے فعل سوں
گذر یا و باطن کرتب دستے۔ اس کا نانوں
سوں ممکن الو جود۔ دوسرا تن سو بھی
کہ اس کا ایندرین کا ہکار * و چیشتا
کر نہارا سو وہی تن، نہیں یو خاک
و سو کھہ دو کھہ بھو گن ہارا۔ جیتا بکار
روپ وہی دوسرا تن، تو توں نظر کر
دیکھہ، یہ تن فہم سوں گذر یا تو گن
اس کا کیوں رہے" —

شاہ برہان نے بھی اپنے پیر و مرشد اور
والد شمس العشاق میراں جی کی طرح ہندی میں
لکھنے کی معذرت کی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ
اُن کے زمانے میں عالم اور ثقہ لوگ ہندی میں
لکھنے سے احتراز کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ
ظاہر پر نہ جاؤ اور باطن کو دیکھو۔ لفظوں کو
نہ دیکھو اور معنی پر خیال کرو۔ ہندی لفظوں
میں کوئی عیب اور خرابی نہیں۔ اگر سمندر کے
موتی کسی تدبرے یا جوہری میں ملیں تو عقلمند
آدمی انہیں کیوں نہ لے۔ فرماتے ہیں —

---

* حرکت —

عیب ذرا کہیں ہندی بول
معانی تو چک دیکھہ دھنڈول
جو نکے موتی سمدر سات
تا بر جے لاگیں ہات
کیوں نہ لیوے اس بھی کوے
سہانا چتر جو کوئی ہوے
ہیں سمند کے موتی یو
گیان رتن کے جوتی یو

.....

ہندی بولون کیا بکھان
جے گر پر ساد توا سلچ گیان

شاہ امین الدین اعلیٰ

شاہ برہان کے فرزند اور جانشین امین الدین اعلیٰ ہیں، وہ بھی باپ اور دادا کے قدم بقدم چلے ہیں۔ ان کی وفات سنہ ۱۰۸۹ ہجری میں ہوئی (مادہ تاریخ ختم ولی ہے)۔ ان کے نظم و نثر کے کلام سے تھوڑا سا نمونہ پیش کیا جاتا ہے، ایک نظم محب نامہ (یا محبت نامہ) قصیدہ کے طرز میں کہی ہے مگر رنگ عاشقانہ ہے، قافیہ تو ایک ہے، مگر ردیف کہیں کہیں بدلدی ہے —

قمرین نین تیرے ساحر ہوے ہمن کوں
گھرا کر بلاوے توس و قزح بدون کوں

پیچوں بھو یاں زلف تج مو جوں تبے بحر موں
ہر لہر پر کرشمہ عشاق کے بچن کوں
راہ صراط پل جوں سر مانگ جو چھپی ہے
کا ہے کشاں * سما پر محب بلاو نے کوں
سیما عرش علامت کرسی مکت سہاوے
روشن شمع منور پر وانے جالنے کوں

ایک دوسری نظم وجودیہ ہے، اس کا نمونہ ملاحظہ ہو —

نفس کا دوزناھی اس آھار
یو تو آھے نفس بھار
نفس کو لیا و تو دم کی جاگا
لاگیں ذکر نہیں تو جاوے بھاگا

آپ نے دوھے بھی لکھے ھیں، ایک دوھے میں کہتے ھیں —

سونا ھار، جیونا بسار
جیونا ھار، سرنا بسار
سو دو سریجن کی دیکھہ بچار
لال سریجن دیکھن پاوے
آپس میں دیکھہ آپ گنواوے

من رآنی حضرت قول بھواوے (وغیرہ)

---

* کھکشاں —

بعض دوہوں میں عربی لفظ کثرت سے آگئے ہیں، لیکن ایسے دھرے بہت کم ہیں —

بنی پرگٹ ذات ظہور ہے
معشوق حق اللہ نور، علی نور ہے
حقیقت حقایق ذات کمال ہے
صورت معنی ذوالجلال ہے

ان کی بعض غزلیں بھی ملی ہیں، ایک غزل قدیم طرز ریختہ میں لکھی ہے، باقی دکنی اردو زبان میں ہیں۔

شاہ صاحب نے بعض رسالے نثر میں بھی لکھے ہیں، ان کی نثر کی چند سطریں یہاں نقل کی جاتی ہیں —

"اللہ تعالی گنج مخفی کو عیاں کرنا چاہا تو ازل اُس میں سوں ایک نظر نکلی، سو اس سے امین دیکھہ ہوا۔ امین شاہد کہتے ہیں یو دونوں ذات کے دو طور ہیں۔ ذات نے اپس کو دیکھا، اُسے نظر کہتے ہیں۔ دیکھکر گواہی دیا تو اُسے شاہد کہتے ہیں۔ یہ تینوں مرتبے ذات کے ہیں" —

ان کے علاوہ شاہ صاحب کی تصنیف سے

متعدد رسالے ہیں۔

اس خاندان کے مریدوں نے بھی تالیف و تصنیف میں وہی روش اختیار کی جو ان کے مرشدوں کی تھی۔ از انجملہ ایک بزرگ سید میراں حسینی شاہ امین الدین علی کے مرید تھے۔ یہ حیدرآباد دکن کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں۔ کسی ضرورت سے بیجاپور گئے تو شاہ امین الدین اعلیٰ سے بیعت کی اور باقی عمر راہ حق میں گزاری یہ کئی رسالوں کے مصنف ہیں لیکن ان کی سب سے مشہور اور ضخیم کتاب شرح تمہید ہمدانی ہے جو "تمہیدات عین القضات" کا ترجمہ ہے۔ اصل کتاب کے مصنف عبداللہ بن محمد المیانجی ملقب بہ عین القضات ہمدانی ہیں، جو سنہ ۵۳۳ ہجری میں بحکم قوام الدین ابوالقاسم درگزینی وزیر سلطان سنجر قتل کئے گئے۔ شاہ میراں حسینی کا انتقال ۱۰۷۴ ہجری میں ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس سنہ سے قبل کی تالیف ہے۔ میرے ایک نسخہ میں سنہ کتابت ۱۰۶۷ ہجری لکھا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اردو کی قدیم نثر کی کتابوں میں خاص درجہ رکھتی ہے کیونکہ علاوہ

چند مختصر رسالوں کے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اس سے قبل نثر میں صرف وجہی کی سب رس پائی جاتی ہے۔ اس کی عبارت کا تھوڑا سا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

"اے عزیزاں! اے بات نہیں سنیاں۔ بادشاہاں گھوڑا مستعد کئے باج نہیں سوار ہوتے، ہور گھوڑے میں کچ کھوڑ اچھے تو بھی نہیں قبول کرتے۔ یعنے پیر کے عشق میں پختا ہوے باج خدا کے عشق میں نا آسک سی ہور دیکھ نا سکسی۔ اگر عشق خالق نداری بارے عشق مخلوقے مہیا کن۔ اس کا معنا، خدا کی پہچانت کا بل نہیں تو اول اپنی پہچانت کر۔ سو اے بات یوں ہے کہ آفتاب کا ذات نوازنہارا ہے اور اس کا اجالا جالنہارا ہے۔ یعنے دوست سو نواز نہارا ہور خوبیاں دینہارا۔ ولے اس کا محبت اُسے دکھاتا ہے یعنے معشوق کا محبت عاشق کو گالتا ہے اُس کے فراق میں"۔

ان کی اولاد اور مریدوں میں کئی شخص بہت اچھے شاعر ہوے ہیں جن کا ذکر بخوف طوالت

یہاں ترک کیا جاتا ہے۔

اب میں تھوڑی دیر کے لئے آپ کو بیجاپور سے گجرات کی طرف لے جانا چاہتا ہوں - گجرات کا تعلق دھلی سے سلطان علاءالدین خلجی کے عہد سے شروع ہوتا ہے جبکہ اس نے سنہ ۶۹۶ ھجری میں اپنی فوج بھیج کر اس علاقہ پر تسلط کرایا اور اپنی طرف سے صوبیدار مقرر کر دیا - یہ صوبیدار سلطنت دھلی کی طرف سے برابر مقرر ہوتے آئے یہاں تک کہ جب دھلی پر تیمور کا لشکر پہنچا اور سلطنت میں ضعف پیدا ہوا تو صوبیدار ظفر خان کے بیٹے تاتار خان نے خود اپنی حکومت گجرات میں قائم کر لی اور محمد شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت پر بیٹھا (سنہ ۸۰۹ ھجری) - شاہان گجرات کی حکومت اکبر کے عہد تک رہی - اس کے بعد گجرات کا صوبہ سلطنت دھلی میں شامل ہوگیا - غرض دھلی کا اثر اس علاقہ پر امیر خسرو کے زمانے سے تھا اور وہاں کی زبان کا اثر جو اس علاقے کی زبان پر پڑا وہ نہ صرف اس وسیع صوبے کے شہروں تک محدود رہا بلکہ سلطنت بیجاپور اور دور و نزدیک کے مقامات میں بھی پہنچ گیا اس کی شہادت ان بزرگوں اور شاعروں کے کلام میں

موجود ہے جو اب تک موجود ہے۔

یہاں میں صرف اُن دو تین صاحب تصنیف بزرگوں کا ذکر کروں گا جنھوں نے اردو کی شاخ گجری یا گجراتی میں اپنا نغمہ سنایا ہے۔

ایک ان میں سے شاہ علی محمد جیو گام دھنی ہیں۔ آپ کا مولد و منشا گجرات ہے۔ آپ گجرات کے کامل عارفوں اور درویشوں میں سے ہیں۔ اہل گجرات پر آپ کی تعلیم و ہدایت کا بہت اثر تھا۔ آپ کا انتقال سنہ ۹۷۳ ہجری میں ہوا۔

آپ کے کلام کا مجموعہ جو "جواہر اسرار اللہ" کے نام سے موسوم ہے آپ کے دادا کے ایک مرید اور آپ کے معتقد شیخ حبیب اللہ نے جمع کیا ہے۔ اسی کلام کا دوسرا نسخہ آپ کے پوتے سید ابراہیم نے مرتب کیا ہے۔ شاہ علی جیو بڑے پایہ کے شاعر ہیں۔ ان کا کلام توحید اور وحدت وجود سے بھرا ہوا ہے اور اگرچہ وحدت وجود کے مسئلے کو وہ معمولی باتوں اور تمثیلوں میں بیان کرتے ہیں مگر ان کے بیان اور الفاظ میں پریم کا رس گھلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہ عاشق ہیں اور خدا معشوق ہے اور اپنی محبت کو طرح طرح سے جتاتے ہیں۔ طرز کلام ہندی

شعرا کا سا ہے اور عورت کی طرف سے خطاب ہے۔ زبان سادہ ہے لیکن چونکہ پرانی ہے اور غیر مانوس الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اس لئے کہیں کہیں سمجھنے میں مشکل پڑتی ہے۔ چند آسان نمونے پیش کرتا ہوں۔

تم ری پیا کو دیکھو جیسا ہور جیوں پر تھو سائیں ایسا
سوے تمہیں ہو ناں وہ ایسا

ایک سمند سات کہاوے
دھو نوس، بادل، میہ برساوے
وہی سمند ہو ہوند وکہالے
ندیاں نالے ہو کر چالے

پیو ملا گل لائی رہی ہے
سکھ سلہ دکھ کی بات نہ کیجے
(میں)

جے ہے سو ہے نہیں نہیں
چھت ایک وہی ہے سہو نہیں

کہیں سو مجنوں ہو بر لاوے
کہیں سو لیلی ہوے دکھاوے

کہیں سو خسرو شاہ کہاوے
کہیں سو شیریں ہوکر آوے

ادھر * پنوالی + چک ‡ رتنالی §
بیلی باسک ° ہور قل کالی
ایہہ جیو مانگیں بہویں دسالی ¶

آپیں کھیلوں آپ کھلاؤں
آپیں آپس لے گل لاؤں

بویس بندوں کے کرسو بندگی اوبھا * ہو ہو نماز گذاروں
ہوں حاجی ہوں کعبہ آہوں آپیں آپس اوپر واروں

کبھیں سو ہوے اندھیاری راتا
سانج بتی کر لاوے دھاتا
ہو کر دیورا راتیں ساری
لاکر جوت دکھاوے ساری

---

* ہونٹ + پان کھاتے ہوئے ‡ آنکھ § سرخ ° سانپ
¶ دنیا کا دار [illegible] اُتھہ اُتھہ کر ۔

کہیں سو عاشق ہوکر راؤں کہیں عارف ہوے پچھانوں
کہیں موحد کہیں محقق کہیں سو جانوں کہیں نجانوں

جو جیو ترا پیو سوں لاگا ہیئے جس نیہ کی آگا
تنہوں کا لو جہ سب بھاگا

جنہوں من پرم کا بھٹکا تلیں تل نیہ کا کھٹکا
سو جانے مرم کا لٹکا

دوسرے بزرگ میاں خوب محمد چشتی ہیں۔ یہ بھی احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے اور ان کا شمار وہاں کے بڑے درویشوں اور اہل عرفان میں ہے۔ خصوصاً تصوف میں دست رسا رکھتے تھے۔ صاحب تصانیف اور صاحب سخن تھے۔ آپ کی ولادت سنہ ۹۴۶ ہجری میں اور وفات سنہ ۱۰۲۳ ہجری میں ہوی۔ "خموش" سے تاریخ ولادت اور "خوب تھے" سے تاریخ وصال نکلتی ہے۔

تصوف میں ان کی کئی کتابیں ہیں۔ ان میں سے بعض میرے پاس ہیں۔ ایک رسالہ "بھاؤ بھید" صنایع بدایع کلام میں ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں "گفتہ

صنایع بدایع را بزبان گجرات از جہت یاد داشت می گویم، امید بحضرت صانع و بدیع چنانست کہ مقبول گردانہ۔ دوہرہ :—

حمد خدا کی خوب کر کہ صلوۃ رسول
پچھیں صنعت شعر کی کہے تو ہوے قبول

اما بعد ایں رسالہ بخطاب "بھاؤ بھید" مخاطب شدہ است در بیان تلونات کلام و انواع مفہومات نظام۔ دوہرہ :۔

بھاؤ بھید اس نانو کر بات بکت سمجھا ئن
بھاؤ بھید کے شعر کے خوب جو تجھ آپ آئن

اگرچہ تشریح ہر صنعت کی فارسی میں کی ہے لیکن اس کا مفہوم گجراتی اردو میں بھی ادا کیا ہے، مثالیں گجراتی اردو میں ہیں اور یہ تمام مثالیں منظوم اور خود اپنی تصنیف سے ہیں۔ دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

صنعت متضاد، آنست کہ الفاظ چند ضد یدیگر باشند، مثال —

دھیان خدا کا پکڑ جو چھوڑے اُسے کہیں جگ مانہ
بھلا برا ہو ٹھہر یا دیکھو سبل نہیل اس تھانہ

عقدہ :- تین پائیں دی رج بسلاے باد بھرا کے اک کلال
خوب ملیں صندلی رنگ نیلے پیلے گالے لال

صنعت تفریق تنہا - آنست کہ میان دو چیز جدائی افگند مثال -

میں خوب تفریق تنہا پچھیان
جدائی دو ھوں سانہ اس بھانت آن
کنول سکہ جمل بن جدائی ایک بات
کنول دیس پھول سے نیں یہ دیس رات

ان کی سب سے مشہور اور مقبول کتاب "خوب ترنگ" ھے - جس کا سنہ تصنیف انھوں نے خود اسی تصنیف میں بتا دیا ھے "چودہ گھات اوس برس ھزار" یعنے نوسو چھیاسی ۹۸۶ ھجری - خوب ترنگ خالص تصوف کی کتاب ھے - شاہ علی محمد جیو کی کتاب "جواھر اسرار اللہ" اس سے مختلف ھے - اس میں عشق و محبت کا رنگ ھے اور قلبی واردات کا ذکر ھے - خوب ترنگ اس کے مقابلے میں ایک خشک کتاب ھے جس میں صوفیانہ اصطلاحات میں تصوف کے مقامات کا بیان ھے - میاں خوب محمد عالم اور سالک ھیں تصوف کے نکات کے ماھر اور بہت اچھے ناظم ھیں - انھوں نے اپنی اس کتاب کی شرح فارسی میں "موج

خوبی" کے نام سے لکھی ہے۔

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

حمد و نعت

بسم اللہ کہوں چیت ذات
جس رحمان رحیم صفات
ذات صفات اسما افعال
جمع مفصل چند اک حال
نانو معہد تس کو دیت
آس تفصیل سو عالم کیت
اوسی روح ارواح تمام
اسی جوس * کے سب اجسام

جوں کھلہلیا سمند چوپاے
جانے سب دریا لے جاے
نوک نقیں دریا بن پار
بھرے تو نوکج کی مقدار

---

* چشمہ۔

جیوں ظاہر بینتیاں کہلائیں
پن اینتاں اس بھانت دکھائیں
ذرے مسل اک تو لا * ٹھانہ
نانوں دھریا ہے اینت سو تانہ
جوہر عرض سو ذرہ جان
تلتل پھرے عرض من آن
جس کو وہم کرے نہیں دوئی
داوا† جہلا ‡ جسے نہ ہوے

بابا شاہ حسینی معروف بہ پیر بادشاہ بھی ایک بزرگ ہوے ہیں جو صاحب دیوان ہیں اور حضرت شاہ علی جیو کے مرید و معتقد معلوم ہوتے ہیں - دیوان کے خاتمے پر شاہ صاحب کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :-

شاہ علی جیو جگ پرورتم ہو میرے لال
نازک نہال ہے شاہ حسینی راکھو تم سنبھال
دنیا فانی سراب کی نالائی اس کو جیتن

---

* سمجھو ۱۲ ۔ † بائیں ۔ ‡ دائیں ۔

ان کا کلام صوفیانہ اور عارفانہ ہے۔

اُس صاحب ثناسوں دیکھو جب صدا ہوا
ہر عہد تھے جواب سو قالو بلا ہوا

غزل

رو برو ہے شہر درس بے نقاب
دیک ناسک بولتے ہیں در حجاب
اس اوپر رکھتے ہیں خواہش دید کی
دید کر آپس کا مانند حباب
اس عبادت بیچ نہیں ہے حق رسی
حوض مسجد کا کریں پانی خراب
حق رسی کی ہے عبادت عین دید
جوں صنم کا مبتلا مست شراب
دل ترا زآب ریا ظاہر منے
بہر استنجا رہیں در پیچ و تاب
گھر سے نکلیں رہ گزر کی دید کوں
وقت جاتا گر جماعت کا شتاب
طعنہ زن نیں ہے حسینی بر عباد
دل سیں کرتا ہے اپس کے یوں خطاب

میں نے اس مضمون میں گیارہ صدی تک کے اہل اللہ اور صوفیا کا ذکر کیا ہے - بعد کے بزرگوں کا ذکر نہیں کیا کیونکہ گیارھویں صدی اور اسکے بعد یہ زبان عام ہو گئی تھی اور اُس میں بہت اچھے اچھے خوش بیان شاعر اور صاحب سخن پیدا ہو گئے تھے —

گجرات و بیجاپور کے بزرگوں کے سلسلہ میں ایک بات یہ عرض کرنی چاہتا ہوں کہ دلی سے جو زبان جنوب کی طرف گئی اسکی دو شاخیں ہو گئیں - دکن میں گئی تو دکنی لہجے اور الفاظ کے داخل ہونے سے دکنی کہلائی اور گجرات میں پہنچی تو وہاں کی مقامی خصوصیت کی وجہ سے گجری یا گجراتی کہی جانے لگی - ہم ابھی دیکھ چکے ہیں کہ شاہ میرانجی اور شاہ برہان نے ہندی میں لکھنے کی معذرت کی اور جس زبان میں انہوں نے نظمیں تحریر فرمائی ہیں اُسے ہندی سے موسوم فرماتے ہیں - یہاں ہندی کا لفظ فارسی کے مقابلہ میں استعمال کیا گیا ہے - عام طور پر ہر دیسی زبان ہندی کہی جاتی تھی - یہ زبان جو بعد میں ریختہ اور اب اردو کے نام سے معروف ہے ایک مدت تک

ہندی ہی کے نام سے موسوم رہی ' چنانچہ میر تقی ' میر حسن یہانتک کہ مصحفی اپنے تذکروں کو سخن آفریناں ہندی اور سخن گویان ہندی کے تذکرے کہتے ہیں -

لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ باپ بیٹے (شاہ میرانجی اور شاہ برہان) جو ہندی میں لکھنے کی معذرت کرتے ہیں دوسرے مقامات پر اپنی زبان کو گجری یا گجراتی کہتے ہیں - چنانچہ شاہ برہان اپنی کتاب "کلمۃ الحقائق" میں فرماتے ہیں :—

"سبب ' یو زبان گجری نام این کتاب کلمۃ الحقائق "

اپنی ایک دوسری تصنیف "حجۃ البقا" میں لکھتے ہیں :—

جے ہووین گیان بچاری نہ دیکھیں بھاکا گجری
جس ارتھوں کیر افہام کیا بولوں سو ہے کام

یہی بزرگ اپنی ایک دوسری کتاب "ارشاد نامہ" میں کہتے ہیں :—

یہ سب گجری زباں کر یہ آئنہ دیا نہاں

شاہ علی محمد جیو کے کلام جواہر الاسرار کے مرتب شیخ حبیب اللہ اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "بہ لسان درر بار و جوہر نثار بہ الفاظ گوجری بہ طریق نظم بزبان مبارک خود فرمودند" - شیخ خوب محمد بھی اپنی کتاب کی زبان کے متعلق فرماتے ہیں :—

جیوں میری بولی منہ بات
عرب عجم مل ایک سنگات

"جیوں میری بولی منہ بات" کا مطلب یہ ہے کہ وہ بولی جو میرے روز مرہ کی بول چال ہے اس کی شرح "امواج خوبی" میں یوں کی ہے "ہریک شعرے بزبان خود تصنیف کردہ اند و میکنند، من بزبان گجرات کہ بالفاظ عربی و عجمی آمیز است گفتہ ام" یعنی ان کی زبان وہ ہے جس میں گجراتی کے ساتھ عربی فارسی الفاظ کی آمیزش ہے - اس آمیزش کا نام ریختہ ہے -

"باؤ بھید" کی تمہید میں لکھتے ہیں "صنائع بدائع را بزبان گجرات از جہت یادداشت می گویم" -

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :—

جیوں دل عرب عجم کی بات
سن بولے بولی گجرات

یہاں بھی اپنی زبان کو گجراتی کہا ہے۔

شاہ برہان کا ایک جگہ اپنی زبان کو ہندی کہنا اور دوسری جگہ گجری کہنا بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ بات نہیں۔ ہندی عام ہے یعنے وہ زبان جو ہر جگہ مستعمل تھی ہندی ہی کے نام سے موسوم تھی۔ گجری اور گجراتی خاص ہے یعنی وہ زبان جو گجرات اور اُس کے قرب و جوار کے علاقے میں بولی جاتی تھی اور جس میں کچھ مقامی لفظ بھی داخل ہو گئے تھے۔ زبان ایک ہے، دکن میں دکنی کہنے لگے اور گجرات میں گجری اور گجراتی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اُن میں کہیں کہیں مقامی رنگ کی جھلک نظر آجاتی ہے۔

اگرچہ میراں جی شاہ اور برہان شاہ اپنی زبان کو گجری بھی کہتے ہیں لیکن ان پر گجراتی کا اتنا اثر نہیں جتنا شیخ علی محمد یا میاں خوب محمد کی زبان میں پایا جاتا ہے۔ وہ لوگ پورے بھی گجرات سے دور تھے اور یہ دونوں صاحب خاص احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے اور اسی لئے

ان کے ہاں بہت سے ٹھیٹ گجراتی لفظ استعمال ہوے ہیں جو بیجا پوری بزرگوں کے کلام میں نہیں پائے جاتے - مثلاً ہوں بمعنی میں (ضمیر واحد متکلم) توسی (توشی) بمعنی بڑھیا : اونڈا، گہرا : چھولی، چھوٹی موج : ہب یا ہبیں (ہوے)، اب : جھلا، دایاں، پپوٹے (فوفوٹے) حباب وغیرہ - محض اس ذرا سے فرق کی بنا پر اسے گجراتی کا نام دے دیا گیا تھا -

میں نے آپ کے سامنے آٹھویں نویں اور دسویں صدی اور ایک دو گیارھویں صدی کے زمانے کے نمونے پیش کئے ہیں - یہ سب صوفیہ کے کلام میں سے انتخاب کئے گئے ہیں - آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ قدما کے اقوال جو کسی خاص سوال کے جواب میں یا معمولی گفتگو میں آئے ہیں وہ خالص ہندی میں ہیں - اُن میں شاذ و نادر فارسی عربی لفظ نظر آتے ہیں - ابتدائی کلام بھی سادہ ہندی ہے خصوصاً جو صوفی سماع کا ذوق رکھتے تھے - اور شاعر بھی تھے ہندی دوہرے اور خیال وغیرہ اُسی زبان میں کہتے تھے - لیکن اُن میں بھی کبھی کبھی اپنے ہاں کے عارفانہ الفاظ داخل کر دیتے تھے - جب اُنہیں اپنے مریدوں اور معتقدوں کی ہدایت کے لئے

نظم و نثر میں رسالے لکھنے کی ضرورت پڑی یا معرفت و سلوک میں سوالات کے جواب لکھنے پڑے تو وہ اپنی مذہبی اصطلاحات ہندی تصوف کے الفاظ کے ساتھ ساتھ بے تکلف استعمال کرنے لگے - یہاں تک کہ حمد و نعت میں بھی عربی کے خاص الفاظ کے ساتھ سنسکرت کے مذہبی لفظ بھی بے ساختہ لکھ گئے ہیں - اس رواداری سے اُن کی غرض یہ تھی کہ ان کی ہدایت عام اور وسیع ہو - جس طرح انھوں نے ملک کے حالات کے لحاظ سے بعض ظاہری قیود کو توڑ کر اہل ملک سے ارتباط اور میل جول بڑھانے اور اُنکو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی اسی نظر سے اُنھوں نے اُنکی اور اپنی زبانوں کو بھی ملانا شروع کیا - اُنکی نظموں کی بحریں (اکثر و بیشتر) ہندی ہیں ' طرز بھی نظموں کا ہندی ہے یہاں تک کہ کبھی کبھی ہندی دیو مالا کی تلمیحیں اور استعارے بھی استعمال کر جاتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ اپنی چیزوں کو بھی ملاتے جاتے ہیں - ہوتے ہوتے اس میل اور ارتباط سے خود بخود ایک نئی زبان بن گئی جو نہ ہندی تھی نہ فارسی ' بلکہ ایک نئی مخلوط زبان تھی جسے ہم اب اردو یا ہندوستانی کہتے ہیں -

یہ لوگ اپنی نظموں میں عروض و قافیہ اور نظم کے اصول و قواعد کی پروا نہیں کرتے - اکثر مصرعہ کو کھینچ تان کر سکتہ پورا کر لیتے ہیں (جیسے سر کو سیر اور فکر کو فکیر) - ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن کرلینا اُن کے ہاں کوئی بات نہیں - اشباع و امالہ ' ترخیم و تخفیف کا بلا تکلف استعمال کر جاتے ہیں - قافیہ میں صرف صوت کا خیال کرتے ہیں - بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آوازیں بھی ایک نہیں تو بھی بلا تامل قافیہ باندھ جاتے ہیں مثلاً خالق کا قافیہ مالک اس بنیاد پر روا ہو سکتا ہے کہ ہندی میں ق اور ک کی آواز میں چنداں فرق نہیں کیا جاتا لیکن عارف کا صادق ' فرق کا طرف ' عشاق کا کشاف ' شرف کا فرق ' انصاف کا پاس قافیہ کیونکر ہو سکتا ہے - یہ بزرگ اس کی پروا نہیں کرتے - جن عربی الفاظ کے آخر میں ح اور ع آتے ہیں اُن میں ان حروف کا تلفظ اکثر اہل ہند نہیں کرتے - اسی بنا پر بعض بزرگوں نے گر و کا قافیہ شر و (شروع) اور صحی (صحیح) کا قافیہ کوئی باندھ دیا ہے - وہ ان چیزوں کا اس لئے خیال نہیں کرتے تھے کہ اُنھیں اپنا کلام اور اپنی ہدایت عوام تک پہنچانی تھی اور یہ سب چیزیں انھیں کی زبان میں اُنھیں

کے لئے لکھتے اور کہتے تھے۔

ہندی یا اس نو مولود زبان میں لکھنا اہل علم اپنے لئے باعث عار سمجھتے تھے اور وہ اپنی عالمانہ تصنیف کو اس حقیر اور بازاری زبان کے استعمال سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ صوفی ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے جرأت کی اور اس کفر کو توڑا۔ صوفی ظاہری ننگ و عار سے بالا ہوتا ہے۔ اُس نے پھر ایک بار یہ دکھا دیا کہ حقیر سی حقیر چیز سے بھی کیسے کیسے بڑے کام نکل سکتے ہیں۔ یہ صوفیوں ہی کی جرأت کا فیض تھا کہ اُنکی دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں نے بھی جو پہلے ہچکچاتے تھے اس کا استعمال شعر و سخن مذہب و تعلیم اور علم و حکمت کے اغراض کے لئے شروع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان صوفیائے کرام کو اردو کا محسن خیال کرتا ہوں۔

یہ بزرگ اس زبان کے بڑے ادیب اور شاعر نہ تھے یا کم سے کم اُن کا مقصد اس زبان کی ترقی نہ تھی نہ اس کا انھیں کچھ خیال تھا۔ اُن کی غایت ہدایت تھی۔ لیکن اس ضمن میں خود بخود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا اور عہد بعہد نئے نئے اضافے اور اصلاحیں ہوتی گئیں اور اُنکی مثال نے دوسروں کی ہمت بڑھائی

جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہوگئی - گو یہ اب ایک بھولی بسری داستان ہے لیکن اردو زبان کا مورخ اُن کے احسان کو کبھی نہیں بھول سکتا -

حضرت کبیر | میں اس مضمون کو حضرت کبیر کا ذکر کئے بغیر ختم نہیں کر سکتا - یہ بنارس کے رہنے والے تھے ان کے زمانے کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہے - ابوالفضل اور دوسرے مورخوں نے انہیں سکندر لودھی کا ہمعصر بتایا ہے جو دسویں صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ ہوتا ہے - کبیر سچے صوفی اور عارف ہیں - انہوں نے معرفت الٰہی ' دنیا کی بے ثباتی وغیرہ پر خوب خوب نظمیں لکھی ہیں - وہ ریا اور ظاہر داری کے سخت دشمن ہیں اور شیخ و برہمن دونوں کو یکساں لتاڑتے ہیں - وہ شاعر بھی اعلیٰ درجے کے ہیں - انکے کلام میں سادگی اور شیرینی ہے اور اس کے ساتھ ہی اثر ' جدت اور زور بھی ہے - وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مضامین کو اپنی روز مرہ کی سادہ زبان میں معمولی تمثیلوں اور تشبیہات و استعارات کے ذریعے اس خوبی اور صفائی سے بیان کر جاتے ہیں کہ دل پر چوٹ لگتی ہے - وہ بہت دلیر اور جری بھی ہیں اور کڑوی سے کڑوی

بات کو صاف صاف بے دھڑک کہہ جاتے ہیں۔ لاگ لپیٹ ان میں نام کو نہیں۔ وہ جو کہتے ہیں تنکے کی چوٹ کہتے ہیں اور کسی کی مروت نہیں کرتے اور ہندو مسلمان سب کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔ اُن کے کلام اور زبان کی سادگی و تاثیر اور صداقت و خلوص نے اُنھیں دونوں فرقوں میں یکساں مقبول بنادیا ہے۔ ہندو اُنھیں کبیر داس اور مسلمان شاہ کبیر کہتے ہیں۔ اُن کی زبان جیسا کہ اُن کا وطن بتاتا ہے اور جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں، پوربی ہے۔

میری بولی پوربی تاہی نہ چینھے کوی
میری بولی سو لکھے جو پورب کا ہوی

لیکن ان کی پوربی گوسائیں تلسی داس یا ملک محمد جائسی کی سی پوربی نہیں کہ جن کے کلام کے سمجھنے کے لئے شرح کی ضرورت ہے۔ کبیر کا کلام جنوبی ہند کے بعض علاقوں کو چھوڑ کر ہندوستان کے ہر حصے میں آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ تلسی داس اور ملک محمد جائسی کی زبان پرانی اور مردہ ہوجائے گی لیکن کبیر کا کلام ہمیشہ تازہ اور ہرا بھرا رہے گا۔ یہی وہ زبان تھی جو نویں اور دسویں صدی ہجری

میں ہندوستان کے تقریباً ہر خطے میں بولی یا سمجھی جاتی تھی اور اسے ہندوستان کی عام زبان ہونے کا فخر حاصل تھا۔ حضرت کبیر نے جس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب کو ایک کرنے کی کوشش کی ہے اسی طرح ان دونوں کی زبانوں کو بھی اپنے کلام میں بڑی خوبی سے ملا کر ایک کردیا ہے۔ یہیں سے اردو یا ہندوستانی کی بنیاد شروع ہوتی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ کبیر اُس زبان کے اولیں بانیوں میں سے ہیں جو ہندوستان کی عام زبان کہلانے کی مستحق ہے۔ بلا شبہ اُن کے خیالات اعلیٰ اور اُن کا خلوص بے ریا ہے اور ایسے شخص کا اثر ہونا لازم ہے۔ لیکن اُس کی زبان نے اُس کے اثر کو زیادہ گہرا کر دیا۔ اُن کی سادگی میں حلاوت پیدا کردی ہے اور اُنکی محبوبیت اور مقبولیت کو دو چند کردیا ہے۔ وہ عربی فارسی الفاظ بلا تکلف اور بڑے موقعہ سے استعمال کرتے ہیں اور اب بھی کئی سو برس کے بعد جب ہم اُن کا کلام پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کہنے والا ہمارے زمانے کا شخص ہے۔ یہ پھول اس پیڑ کا ہے جو انہوں نے ہندی پر فارسی کی قلم باندھ کر لگایا تھا۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

(۱) رہنا نہیں دیس بیگانا ہے
یہ سنسار کاغذ * کی پڑیا
بوند پڑے گھل جانا ہے

(۲) بہت دنن بچھڑے ہری پائے
بھاگ بڑے گھر بیٹھے آئے

(۳) جاگ پیاری اب کا سووے
رین گئی دن کاہے کھووے

(۴) مرے تو مرجائیے چھوٹ پڑے جنجال †
ایسا مرنا کو مرے، دن میں سو سو بار

(۵) کبیر یہ گھر پریم کا خالہ کا گھر ناہیں
سیس اُتارے ہاتھ سے سو پیٹھے گھر ماہیں

(۶) ایسا کوئی نا ملے جاسوں رہئے لاگ
سب جگ جلتا دیکھئے اپنی اپنی آگ

(۷) میٹھا کہاں سدھو کری بھانت بھانت کو ناج
دھری کس ہی کا نہیں بلا ولایت راج

(۸) کبیر اس سنسار کو سمجھاؤں کے بار
پونچھ تو پکڑے بھیڑ کی اترا چاہے پار

(۹) کبیر نوبت آپنی دس دن لیہو بجائے
اے پور پٹن اے گلی پھیر نہ دیکھو آئے

---

* (کاغذ) - † (جنجال)

(۱۰) میرا مجھ میں کچھ نہیں جوکچھ ہے سو تیرا
تیرا تجکو سو نپتے کیا لاگے میرا

(۱۱) کبیر سکھہ کو جاے تھا آگے آیا دکھہ
جای سکھ گھر اپنے ہم جانیں اور دکھہ

(۱۲) کبیر ایک نہ جانیا تو بہو جاننیا کیا ہوے
ایک ہی تیں سب ہوت ہے سب تے ایک نہوے

(۱۳) ہاڑ جلے جوں لاکڑی کیس جلے جوں گھاس
سب تن جلتا دیکھہ بھیا کبیر اُداس

(۱۴) کبیر حد کے جیو سوں ہت کر مکھوں نہ بول
جے لاگے بے حد سوں تن سوں انتر کھول

(۱۵) کبیر ناؤ ہے جرجری کوڑے * کھیون ہار
ہلکے ہلکے تر گئے بوڑے † جن سر بھار

(۱۶) سکھیا سب سنسار ہے کھاے اور سوے
دکھیا داس کبیر ہے جاگے اور روے

(۱۷) کبیر بھاٹی کلال کی بہت ایک بیٹھے آئے
سر سونپے سوں پئے نہیں تو پیا نہ جائے

(۱۸) چلو چلو سب کوئی کہے موہی اندیسہ اور
صاحب سوں پرچا نہیں جائیں کے کس ٹھور

---

* بیوقوف - † ڈوبے -

قواعد و ضوابط انجمن ترقی اردو

اورنگ آباد (دکن)

(۱) سرپرست وہ ہیں جو پانچ ہزار روپے یک مشت یا پانسو روپے سالانہ انجمن کو عطا فرمائیں —
(ان کو تمام مطبوعات انجمن بلا قیمت اعلیٰ قسم کی جلد کے ساتھ پیش کی جائیں گی) —

(۲) معاون وہ ہیں جو ایک ہزار روپے یک مشت یا سالانہ سو روپے عطا فرمائیں۔ (انجمن کی تمام مطبوعات ان کو بلا قیمت دی جائیں گی) —

(۳) رکن مدامی وہ ہیں جو ڈھائی سو روپے یک مشت عطا فرمائیں —
ان کو تمام مطبوعات انجمن مجلد نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

(۴) رکن معمولی انجمن کے مطبوعات کے مستقل خریدار ہیں جو اس بات کی اجازت دے دیں کہ انجمن کی مطبوعات طبع ہوتے ہی بغیر دریافت کیے بذریعہ قیمت طلب پارسل ان کی خدمت میں بھیج دی جائیں۔ (ان صاحبوں کو تمام مطبوعات پچیس فی صدی قیمت کم کرکے دی جائیں گی)
مطبوعات میں انجمن کے رسالے بھی شامل ہیں —

(۵) انجمن کی شاخیں وہ ہیں جو انجمن کو یک مشت سوا سو روپے یا بارہ روپے سالانہ دیں (انجمن ان کو اپنی مطبوعات نصف قیمت پر دے گی) —

Anjuman -E- Tarraqqi -E- Urdu Series No. 74

The Sufis' Work in the early Development of Urdu Language

BY

MOULVI ABDUL HAQ B. A. (ALIG.)

PRINTED AT THE "ANJUMAN URDU PRESS"
AURANGABAD (DECCAN)
1933

٢١٢٤ ٩١٥٣١٠٩م
١٩٥١
DUE DATE